عائشہ تنویر

سنگ تیرے

روزانہ کی طرح اس کے تیار ہونے سے پہلے امی ناشتا بنائے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس کا ناشتے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ پھر سارا دن وہ بے چین رہیں گی۔ تھوڑا بہت کھا کر وہ کچن کے سنک میں ہی ہاتھ دھوتے ہوئے یاد دلانے لگا۔

"آج میں جلدی آؤں گا، چھ بجے پہنچنا ہے ڈاکٹر کے پاس۔"

انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے، بیٹے پر پیار بھری نظر ڈالی۔ شوہر کے انتقال کے بعد اب وہی زندگی کا محور تھا۔ اس کا خیال رکھنا ان کے دل کو خوشی دیتا تھا۔

اس سے پہلے کہ مزید گفتگو ہوتی، ان کے خاموش اور پرسکون گھر کا سناٹا ایک دم ٹوٹا تھا۔ کسی نے بہت زور سے بیل پر ہاتھ رکھا تھا۔ ساتھ ہی عمار کا موبائل بجنا شروع ہوا تھا۔ ماں سے پیار لیتے عمار نے جلدی سے چیزیں اٹھائیں۔

موبائل کی اسکرین پر تھرتھراتی پھلوں کی ٹوکری بتا رہی تھی کہ دروازے پر کون ہے۔

"ثمرین ہوگی، جلدی جاؤ۔"

رئیسہ بیگم بھی تصویر دیکھ کر جان گئی تھیں کہ کون صبح صبح یہ غدر مچا سکتا ہے۔ وہ امی کو خدا حافظ کہتا عجلت میں باہر آیا۔ امی اس کے پیچھے دروازے تک آئی تھیں۔ وہ حسب معمول دعائیں پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ دروازے پر ثمرین کے ساتھ نرمین بھی موجود تھی۔ انہوں نے بچیوں کو مسکرا کر دیکھا۔ پڑوس میں رہنے والے بھائی اور اس کی فیملی سے انہیں بہت سہارا تھا۔

"ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ یونیورسٹی تک چھوڑ دو گے۔" رئیسہ بیگم کو سلام کرتے ثمرین نے بہ عجلت پوچھا۔ نرمین مسکرا کر ان دونوں کی گفتگو سے لاتعلق پھپھو کی خیریت دریافت کرنے لگی۔ عمار بھائی کے مزاج سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔ یہ تو ثمرین کا حوصلہ تھا جو ان کا غصہ برداشت کرتی۔ خیر وہ بھی ثمرین کو بہت مارجن دیتے۔ وہ آدھا دن تو پھپھو کے گھر گزارتی تھی۔ ان دونوں کی بچپن سے ہی دوستی تھی۔ ثمرین کی پیدائش پر امی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ اسے کتنا عرصہ پھپھو نے ہی سنبھالا تھا۔

"تمہیں کب دیر نہیں ہوتی، نماز کے بعد ہی تیاری شروع کر دیا کرو۔" عمار مذاق اڑاتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔

"نیپا چورنگی تک چھوڑوں گا۔ آگے خود جانا۔ بالکل مخالف سمت جانا ہے مجھے، تم لوگوں کو چھوڑنے گیا تو لیٹ ہو جاؤں گا۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔ ثمرین تو سر ہلاتے آرام سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ نیپا سے اسے با آسانی شٹل مل جاتی جبکہ نرمین دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔

"دماغ خراب تھا میرا جو ثمرین کی باتوں میں آئی، اس سے تو اچھا رکشا لے کر چلی جاتی۔ میڈم نے آج مجھے لیب میں ہرگز نہیں گھسنے دینا۔ پریکٹیکل تو گیا۔"

یہ سوچ بنا کہ اس رہائشی علاقے سے نکل کر اسٹاپ تک جانے کے لیے کتنا چلنا پڑتا، پھر وہاں سے بھی اسے نیپا تک کی ہی بس ملتی۔ اکیلے تو وہ کبھی رکشے میں بیٹھی نہیں تھی۔ وہ دل ہی دل میں انہیں صلواتیں سنا رہی تھی۔ چھوٹی ہونے کی بنا پر منہ سے کچھ کہنا ممکن نہ تھا۔ وہ دونوں اس کی موجودگی سے بے نیاز باتوں میں

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

مصروف تھے۔ گاڑی اب مین روڈ پر آ گئی تھی۔ اس کا کالج نیا چورنگی کے بعد اور کراچی یونیورسٹی سے بہت پہلے تھا۔ دو دو بسوں کا سفر اور روڈ کراس کرنے میں ٹھیک ٹھاک وقت لگتا۔ اپنی کوئٹس ہو تو ذرا سا فاصلہ تھا مگر کیا کیا جاتا کہ ابو کا روٹ تو بالکل الگ تھا اور عمار بھی نیا سے حسن اسکوائر کی طرف چلا جاتا۔ اسی لیے انہیں پبلک ٹرانسپورٹ میں خوار ہونا پڑتا۔

"اتنا تیار ہو کر جاتے ہو آفس، محبت تو ہے۔" ثمرین عمار کو چھیڑ رہی تھی۔

"تیار ہو کر نہیں جاتا، ویسے ہی اتنا ویلڈم ہوں کہ ہر طرح اچھا لگتا ہوں۔" عمار نے اپنے ازلی بے نیاز انداز میں کہا۔ ان کا مذاق چلتا تھا۔ ثمرین کو برا نہیں لگا مگر زمین کو دیر ہونے کی فکر تھی سو بلا وجہ اس کے خاطر پر دل میں چڑ گئی۔

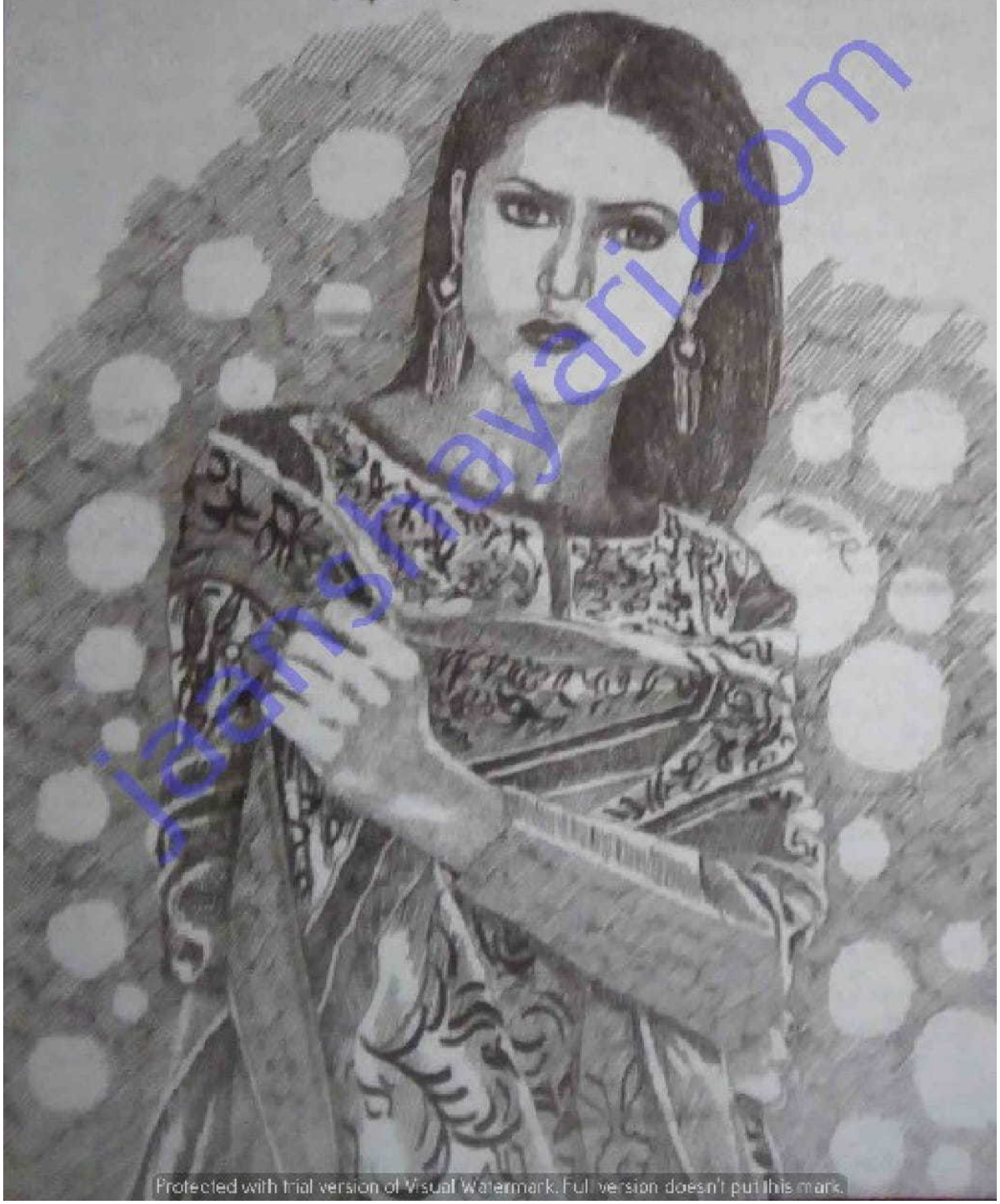

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"اچھی شکل ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندہ آسمان سے نیچے ہی نہ آئے۔"

وہ والدین کا اکلوتا تھا۔ خوب لاڈ اٹھواتا۔ ماموں کا کوئی بیٹا نہیں تھا تو اکلوتا بھانجا انہیں بھی بہت عزیز تھا۔ اس لاڈ پیار نے اس کا مزاج ساتویں آسمان پر پہنچایا تھا۔ چند سال پہلے اپنے ابو کے انتقال کے بعد سے وہ سنجیدہ اور ذمہ دار ہو گیا تھا مگر یہ انا اپنی جگہ برقرار تھی۔

"ہم ہم..... کس نے کہہ دیا۔ پھپھو کی بہو نے تو نہیں بتایا۔ دیکھو عمار اگر کوئی لڑکی پسند کرو گے تو سب سے پہلے مجھے بتاؤ گے۔"

ثمرین کی اپنی فکریں تھیں جبکہ عمار کا انداز ہنوز وہی تھا۔

"نہیں بھئی، میں یہ فضول کام نہیں کرتا۔"

"فضول..... شادی کرنا فضول ہے کیا، میں تو شادی کے لیے ہی پوچھ رہی تھی۔" ثمرین لمبا کھینچ کر بولی تھی۔ نرمین سر جھٹک کر ان کی باتوں سے دھیان ہٹاتے تیزی سے گزرتے مناظر دیکھتے ہوئے کالج میں پڑنے والی متوقع ڈانٹ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

کلاس ختم ہوتے ہوتے پوائنٹ جا چکے تھے۔ سر احسان اس معاملے میں بہت ظالم تھے۔ ثمرین نے لیکچر کے لیے پوائنٹ تو مس کر دیا تھا، اسی لیے اب ڈھیلے ہاتھوں سے چیزیں بیگ میں ڈال رہی تھی۔ کچھ طلبہ عجلت میں آرٹس لابی کی طرف بھاگ رہے تھے کہ شاید کوئی نکما پوائنٹ پکڑ میں آ جائے۔ ردا کے دل میں بھی یہی آس تھی، تب ہی کوفت سے اسے دیکھا۔

"جلدی کرو ثمرین، ورنہ میں جا رہی ہوں۔" ردا نے جھنجلا کر دھمکی دی۔

"چل رہی ہوں نا۔"

وہ بیگ کندھے پر ڈالتے سیدھی ہوئی، تب ہی موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ یہ مخصوص رنگ ٹون ریان کے نام پر لگی تھی۔ ریان احمد، اس کی خالہ کا بیٹا تھا۔ وہ عمار کا ہم عمر ہی تھا۔ گھر بھی زیادہ دور نہیں تھا سو اکثر ان کے ہاں موجود ہوتا۔ ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ پھر نانی اماں کی خواہش پر ثمرین اور ریان کو نوعمری میں ہی منسوب کر دیا گیا۔ تعلق کی نوعیت بدلتے ہی رویہ بھی بدلا تھا۔ دوستی کی بے تکلفی میں قدرے جھجک در آئی۔ عمار اور ریان بھی بہترین دوست تھے۔ وہ عمار سے ملنے اکثر آتا۔ ثمرین بھی بچپن سے پھپھو کے گھر ہی پائی جاتی۔ باقاعدہ پردہ تو نہیں تھا، بچپن کی فرینڈشپ تھی۔ وہ اسے کارڈ اور تحائف بھی دیتا مگر اس سے بات کرتے یہی احساس ہوتا کہ سب کیا کہیں گے سو وہ دانستہ سامنا کرنے سے کتراتی تھی۔

ریان کراچی یونیورسٹی سے ہی فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک نجی یونیورسٹی میں پڑھا رہا تھا۔ اپنے کاموں کے سلسلے میں اب بھی اکثر یونیورسٹی آتا۔ بعض اوقات اسے پک اینڈ ڈراپ بھی کر دیتا مگر ابو کی ناپسندیدگی کے خیال سے وہ اس اتفاق کو معمول بنانے سے گریز ہی کرتی۔ اس وقت بجتی رنگ ٹون کو اس کے مضمحل اعصاب نے لفٹ کی آفر ہی سمجھا، یقیناً وہ یونیورسٹی آیا ہوا تھا۔ بے تحاشا تھکاوٹ کے زیر اثر وہ بالکل بھی تکلف برتنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ رک کر موبائل نکالنا چاہا مگر اسے ٹھٹکتے دیکھ کر ردا نے گویا دھکا لگایا تھا۔

"اب رکنا مت۔" ثمرین نے مسکراتے چہرے اور تیز قدموں کے ساتھ بیگ میں ہاتھ مارا تھا۔ فون آن کر کے کان سے لگاتے وہ لمبے کوریڈور میں چلنے لگی۔

"فری ہو گئی ہو؟ میں تمہارے ڈیپارٹمنٹ میں ہی موجود ہوں۔" ریان نے اس کے سلام کا جواب دیتے بلا تمہید کہا۔

"جی، باہر آ رہی ہوں۔" کہتے ساتھ ہی اسے سامنے کھڑا ریان نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ بے اختیار ردا نے بھی شکر کا کلمہ پڑھا۔ اسے دیکھ کر موبائل آف کرتے وہ منتظر نگاہیں جما کر کھڑا تھا۔ لبوں کو باہم دبائے بظاہر سنجیدہ سا کھڑا وہ اپنی متبسم آنکھوں کے ارتکاز سے اس کی بے نیازی اور اعتماد میں دراڑ ڈال

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

رہا تھا۔ ثمرین نے بلاوجہ ادھر ادھر دیکھا۔

"مجھے گیٹ پر اتار دیجیے گا۔" ردا نے ان کی ان کہی باتوں پر دھیان دیے بنا اپنی فرمائش بیان کی۔

ریان سر ہلاتا گاڑی کی طرف بڑھا۔ یونیورسٹی کے دروازے تک وہ ان سے پڑھائی کا پوچھتا رہا۔ ردا کے اترتے ہی اس نے لہجے کی ٹون اور بات کا موضوع بدلا۔

"لنچ کرو گی؟" گاڑی کی رفتار سست ہوگئی تھی۔

"گھر جا کر کروں گی۔ امی نے پلاؤ بنانا تھا آج، آپ بھی آجائیں۔" ثمرین نے سادگی سے جواب دیتے دعوت دی۔

"پھر آئس کریم کھاتے ہیں کہیں بیٹھ کر۔ تم سے بات ہی نہیں ہوتی۔" ریان نے شکوہ کرتے اگلا آپشن پیش کیا۔

"کر تو رہے ہیں بات، اکثر ہی مجھے ڈراپ کرتے ہیں اور آپ نے مجھ سے کون سا مباحثہ کرنا ہے۔" ثمرین کے حیرت ظاہر کرنے پر وہ ہنس پڑا۔

"مباحثہ تو بیویوں سے ہوتا ہے، منگیتر کے ساتھ تو سینما میں فلم دیکھی جاتی ہے، یا ساحل کنارے لمبی چہل قدمی یا کم از کم اس روشن دوپہر میں کسی ریسٹورنٹ میں کچھ چیزیں ہی لگا لیں۔"

ریان نے شوخی سے لمبی فہرست بتائی تھی۔ عموماً وہ ایسی باتیں کرتا نہیں تھا۔ ثمرین نے اسے فوراً بریک لگائی۔

"بس، بس صبح ہوگئی۔ اب جاگ جایئے اور جلدی گھر پہنچائیں مجھے۔" اس کے مذاق اڑاتے لہجے پر ریان نے ایک نظر اسے دیکھا اور قدرے سنجیدہ ہوا۔

"کیا حرج ہے اگر راستے میں کچھ کھا لیں تو..... گھر تو تمہارا دس منٹ پر ہے۔ دیر کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔" ثمرین نے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے اور نرمی سے بولی تھی۔

"یوں آئس کریم پارلر میں بیٹھنا اچھا نہیں لگتا اور یونیورسٹی سے واپسی پر تو بالکل نہیں۔ کوئی دیکھے گا تو میرے بارے میں کیا سوچے گا۔ ابو کو بھی اچھا نہیں لگے گا۔"

"جب ہمارا دل صاف ہے تو دوسروں کی فکر میں گھلنا کوئی اچھی بات نہیں اور خالو کے تو کیا ہی کہنے انہیں تو کچھ بھی پسند نہیں۔" اس نے نروٹھے پن سے کہتے گاڑی گھر جانے والے راستے پر موڑی تھی۔

"نہیں، آپ تو پسند ہیں ابو کو مگر آج آپ کیوں اتنے پھیل رہے تھے۔ کوئی تو بات ہے۔" ثمرین نے اسی کے انداز میں جواب دیتے شوخی سے پوچھا۔

"نئی جاب کی اچھی سی آفر آئی تھی، سوچا تمہیں ٹریٹ دے دوں مگر تم سے شیئر کرنے کا فائدہ۔ اب شادی کے بعد بھی کہیں نہیں لے کر جاؤں گا۔ لوگ کیا کہیں گے۔" ثمرین کے درست اندازے نے ریان کے مزاج پر خوش گوار اثرات ڈالے تھے۔ وہ اسے اندر تک جانتی تھی، اس کے بن بتائے اسے پڑھ لیتی تھی، یہ احساس بہت خوش کن تھا۔ وہ اب خفگی بھلائے اسے چھیڑ رہا تھا۔

☆☆☆

ہسپتال میں حسب معمول لمبی قطار تھی۔ ان کی باری آنے میں بہت وقت تھا۔ امی کی بوریت کے خیال سے عمار نے موبائل نکالنے سے پرہیز کیا اور ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

"وقت سے آفس پہنچ گئے تھے؟ کیسے لمحوں میں منع کر دیتے ہو تم، کیا تھا جو بچیوں کو آگے تک چھوڑ آتے۔" فرصت ملتے ہی امی کو بچیوں کا غم ستایا۔

"انہیں چھوڑنے جاتا تو میں خود لیٹ ہو جاتا۔ میٹنگ تھی صبح۔ میرا اپنا آفس نہیں ہے کہ جب جی چاہے جاؤں۔ شادی شدہ لوگوں کو تو ہمارے باس پھر بھی ذمہ داریوں کی رعایت دے دیتے ہیں مگر ہمیں تو دیر سویر پر بے نقط سناتے ہیں۔" عمار نے لمبی سانس بھرتے سبھاؤ سے امی کو سمجھایا۔ امی کی تنہائی اور طبیعت کی وجہ سے انہیں تنگ کرنے سے اب وہ پرہیز ہی کرتا تھا، البتہ کرتا اپنی ہی مرضی تھا۔

"تمہاری بھی شادی کر دیتی ہوں پھر، دیر سویر

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark

کا مارجن مل جائے گا۔" امی ہاں کی منطق پر بے اختیار ہنسی تھیں۔

"ابھی تو آپ یہ دعا کریں کہ پروموشن ہو جائے میری، باس میرے کام سے بہت خوش ہیں، ان شاء اللہ جلد خوش خبری ملے گی۔" عمار نے مسکرا کر خوشی سے بتایا تو امی بھی خوش ہو گئیں۔

عمار کا تعلیمی ریکارڈ اچھا تھا۔ وہ ایم ایس کرنے کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم میں ایک سافٹ ویئر ہاؤس میں جاب کرتا رہا تھا۔ ذہین اور محنتی تھا، تجربہ بھی ہو گیا تھا۔ اس کی تعلیم پوری ہوتے اس کی کمپنی نے اسے جاب دے دی تھی۔ وہ کام سے نہیں گھبراتا تھا۔ ذمہ داری سے کام کرنے کی وجہ سے بہت تیزی سے ترقی کے مدارج طے کر رہا تھا۔ رئیسہ بیگم نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

"شکر الحمدللہ، ماشاء اللہ میرا بیٹا ہے ہی اتنا ذمہ دار۔ پروموشن تو ان شاء اللہ ہو ہی جائے گی مگر اب تم سنجیدگی سے شادی کا سوچو۔ کیریئر کے ساتھ فیملی بنانا بھی ضروری ہے۔ یہی صحیح عمر ہے شادی کی۔ سارا دن میں اکیلی رہتی ہوں گھر میں، آج کچھ ہو جائے تو تم بالکل تنہا ہو جاؤ گے، بیوی ہو گی تو گھر میں رونق رہے گی۔"

"امی پلیز..... ایسی باتیں مت کریں۔ ابھی سال، دو سال میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے۔" عمار ان کی ایموشنل بلیک میلنگ پر الجھا تھا۔ گرد و پیش سے بے نیاز ہسپتال کی انتظار گاہ میں وہ ماں، بیٹا اپنی ہی باتوں میں لگے تھے۔

"تو میں کون سا ابھی بارات لے کر جا رہی ہوں، رشتہ ڈھونڈتے، تیاری کرتے وقت لگتا ہے بھئی، تم یہ بتاؤ کہ کوئی پسند تو نہیں ہے ورنہ میں لڑکی ڈھونڈوں۔ بعد میں کچھ نہیں سنوں گی میں۔" امی ایک دم پرجوش ہو گئی تھیں۔ ایکسائٹمنٹ میں آواز بھی قدرے بلند ہو گئی۔ خیال تو بہت دن سے ہی ان کے ذہن میں گھوم رہا تھا مگر بات کرنے کا موقع نہیں بن رہا تھا۔ آج عمار ان کے ہتھے چڑھا تو وہ بات کنارے لگانے کو درپے ہو گئیں۔ عمار نے قریب ہی بیٹھے ایک کپل کو مسکراتے ہوئے اپنی طرف متوجہ دیکھا تو شرمندہ سا ہو گیا۔ امی بھی نہ وقت دیکھتی ہیں، نہ جگہ۔ بس اپنی مرضی کرتی ہیں۔

"نہیں بھئی، میری کوئی پسند نہیں۔ آپ جو چاہیں، جب چاہیں کریں۔ ویسے بھی آپ نے کون سا میری سنی ہے۔"

بات ختم کرتے اس نے قدرے خفا انداز میں کہا تھا مگر امی کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اس کی رضامندی سے شاد، اگلے مرحلے کا سوچ رہی تھیں۔ عمار نے سیل فون نکال لیا تاکہ مصروف نظر آئے تو کم از کم یہاں مزید بات نہ ہو۔

☆☆☆

نرمین کالج سے آ کر جو سوئی تو شام کی خبر لائی۔ مغرب کی نماز پڑھ کر وہ پھر کتابیں بکھرا کر بیٹھ گئی تھی جبکہ ثمرین روٹیاں بناتے ہوئے اسے آواز لگا رہی تھی۔

"چٹنی بناؤ یار۔ تم تو بالکل ہی فارغ ہو جاتی ہو۔"

اس نے پھرتی سے روٹی بیلتے اسی رفتار سے ڈالا۔ نرمین نے منہ بنا کر کام شروع کر دیا۔

"مجھے اپنا پریکٹیکل جرنل بھی مکمل کرنا ہے ابھی۔ شام کی چائے کے برتن بھی میں نے دھوئے۔ رات کے بھی مجھ سے دھلوائی ہو اور پھر فراغت کے طعنے بھی۔" اس کے منہ بسورنے پر ثمرین کو ہنسی آئی مگر جواب دینا بھی ضروری تھا سو مصنوعی برہمی سے بولی۔

"چندا جو چائے پی تھی، وہ بنا کر کس نے شہزادی صاحبہ کو پیش کی تھی۔ آٹا گوندھ کر روٹیاں کون بناتا ہے۔ ابھی تو ابو کے کپڑے بھی استری کرنے والے ہیں۔ میں بھی یونیورسٹی سے پڑھ کر ہی آئی ہوں اور آ کر تمہاری طرح لمبی تان کر سونے کا وقت بھی نہیں ملا۔" کاموں کی تفصیل سنتے ہی نرمین کا ہاتھ تیز چلنے لگا مگر بولنے سے باز نہ آئی۔

"تو بڑی ہو مجھ سے۔ تمہارا کام کرنا تو بنتا ہے۔ جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو سنبھال لوں گی گھر۔"

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

اس کی لاابالی پن سے کہی بات پر دلکش مسکان ثمرین کے لبوں پر ٹھہری تھی۔ سوچ کا منظر بدلتے ہی دل کا موسم بھی بدلا تھا۔ اب اپنی سوچوں میں مگن اسے چولہے کی تمازت بھی بری نہیں لگ رہی تھی۔ خیال کے پردے پر اس کی تصویر روشن تھی، جس کے سنگ زندگی گزارنے کے سپنے وہ روز دیکھتی تھی۔ ان کے درمیان ایک ان دیکھی باؤنڈنگ تھی۔ ریان نے کبھی اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کی۔ پچھلے دنوں امی اور خالہ کو ان کی شادی کا شوق چرایا تھا۔ امی تو اس کی بالکل نہ سنتیں مگر ریان جانتا تھا وہ ماسٹرز کرنا چاہتی ہے۔ اس نے خود ہی خالہ کو ابھی شادی سے منع کر دیا۔

"تم سے تو تب بھی کام نہیں ہوگا۔ امی کے سر ہی سارا بوجھ آئے گا۔ ابھی میرے بی ایس میں دو سال پڑے ہیں۔ اس وقت تک تم سب کچھ سیکھ لو۔" اب وہ بہت خوش گوار انداز میں کہہ رہی تھی۔ مزاج میں برہمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ نرمین نے اس کے چہرے پر بکھرے رنگ دیکھے اور لہجے کی سرشاری محسوس کر کے شوخی سے بولی۔

"تمہارے لیے تو ریان بھائی کا نام ہی کافی ہے۔ ٹون ہی بدل جاتی ہے۔" اس کے چھیڑنے پر ثمرین جھینپ گئی۔

"باتیں مت بناؤ، کھانا لگاؤ۔" بڑے پن کا فائدہ اٹھاتے اس نے ڈپٹنا چاہا مگر نرمین کے چہرے پر پھیلی شرارت دیکھ کر اعتراف کرنے والے انداز میں ہنس دی۔

بہنیں بہترین دوست ہوتی ہیں۔ نظر کے زاویوں سے مزاج کا حال جان جاتی ہیں۔ ان سے کچھ چھپانا کہاں ممکن تھا۔

☆☆☆

"ابو جی مجھے وین لگوا دیں۔ کالج آتے جاتے اچھی خاصی خواری ہو جاتی ہے۔" نرمین نے چائے کے کپ کے ساتھ ہی مطالبہ بھی ابو کو پیش کیا۔

نعیم صاحب نے مسکرا کر اپنی لاڈلی کو دیکھا۔ وہ اپنے چھوٹے ہونے کا ٹھیک ٹھاک فائدہ اٹھاتی تھی۔ گو ضدی نہیں تھی مگر کافی نازک مزاج تھی۔

"صبر سے بیٹا، بیٹھ کر تسلی سے بھی بات ہو سکتی ہے۔ کالج ابھی نہیں جا رہیں آپ، صبح جانا ہے۔"

انہوں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے چوٹ کی۔ باقی سب کے لیے وہ جتنے بھی تیز مزاج یا موڈی ہوں مگر اپنی بیٹیوں کے لیے وہ بہت اچھے باپ تھے۔

وہ ٹرے میز پر رکھتے خود ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو نہیں پتا میں کتنا تھک جاتی ہوں۔ کہنے کو قریب ہے کالج مگر دو بسیں بدلنی پڑتی ہیں۔ بسیں بھی پیچھے یونیورسٹی سے بھری ہوئی آتی ہیں۔ گھر آنے کے لیے گھنٹہ اسٹاپ پر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ صبح میں بھی دیر ہو جاتی ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

"ثمرین بھی تو جاتی ہی ہے یونیورسٹی۔ تمہارے مسئلے ختم نہیں ہو رہے۔ آگے کیسے پڑھو گی۔" امی نے اس کے نخرے دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"اسے تو پوائنٹ بھی مل ہی جاتا ہے۔ بس بھی وہاں سے ہی بھرتی ہے۔ ہمارے اسٹاپ تک تو لدی ہوئی آتی ہے۔ جیسے مرغیاں پنجرے میں بھری ہوں۔ میں تو اس کالج میں ایڈمیشن لے کر پچھتا رہی ہوں۔" وہ احتجاج کرتے ہوئے جذباتی ہوئی۔ اس کی مثال پر بے اختیار مسکراہٹ ابو کے لبوں تک آئی۔ مسکراہٹ دباتے انہوں نے اس کی آنکھوں میں آنسو آنے سے پہلے تسلی دینا بہتر سمجھا۔

"میں معلوم کرتا ہوں بیٹا، چند دن برداشت کر لو۔ دراصل تمہارے کالج یہاں سے کوئی وین جاتی نہیں ہے۔ اب اکیلے تو تمہارے لیے رکشا ہی لگوا سکتے ہیں۔ اس طرف اسکول وین بہت جاتی ہیں مگر تمہاری ٹائمنگ ان سے میچ نہیں کرے گی۔"

وہ سوچتے ہوئے بول رہے تھے، نرمین نے فوراً منع کیا۔

"نہیں، نہیں، میں رکشے میں نہیں جاؤں گی۔"

"چلو، پھر کوئی وین ڈھونڈتے ہیں۔"

انہوں نے بات ختم کر دی تھی۔ نرمین بھی مطمئن ہو کر اٹھ گئی۔

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

☆☆☆

رئیسہ بیگم نے اسے پہلے ہی فون کر دیا تھا کہ آج شام میں کڑھی بناؤں گی۔

ثمرین بی بی سے دن گزارنا مشکل ہو گیا۔ کڑھی اس کی پسندیدہ ڈش تھی۔ پھر پھپھو کے ہاتھ کی ہو تو کیا ہی بات تھی۔ ابو کڑھی نہیں کھاتے تھے، اس لیے وہ لوگ گھر میں کم ہی بناتے تھے۔ آج بھی ان کے لیے امی نے سالن بنا لیا مگر نرمین اور وہ کڑھی چاول کے آسرے میں تھیں۔

"چلو کھانا کھانے چلیں۔" دوپٹا جھاڑ کر اوڑھتے ثمرین نے اسے آفر کی۔

"نہیں بھئی، اب تک تو عمار بھائی بھی آ گئے ہوں گے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا، یوں جانا۔ تم کھانے سے پہلے جلدی سے ہمیں دے جانا۔"

نرمین نے چینل سرچنگ کرتے انکار کیا۔ چند سال پہلے تک وہ عمار سے ٹیوشن لیتی رہی تھی۔ اب تک اس کا اثر باقی تھا۔ ثمرین اصرار کیے بنا باہر نکل گئی۔

"کھانا کھانے آئی ہوں پھپھو، مگر پہلے نرمین کے لیے دے دیں، اسے بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

ثمرین ان کی شکل دیکھتے ہی وہ شروع ہو گئی۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ کھانا تو نکال کر رکھا ہے۔ دے آؤ گھر۔ عمار کو کہا بھی تھا کہ پکڑا دو۔ کہنے لگا ثمر آ ہی رہی ہوگی۔ نرمین کو یہیں بلا لیتیں۔ اس سے ملاقات ہی نہیں ہوتی۔" پھپھو نے مسکرا کر استقبال کرتے ساری باتیں ایک ساتھ ہی کہہ دی تھیں۔ وہ بھی ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھیں۔

"نہیں، وہ نہیں آئے گی۔ عمار سے ڈرتی ہے وہ۔ اچھا ہے امی ابو کے ساتھ کھا لے گی۔" ثمرین کہتے کہتے کچن سے ٹرے لے کر باہر نکل گئی تھی۔

کمرے سے باہر نکلتا عمار پیچھے سے بڑبڑایا تھا۔

"میں کون سا ڈریکولا ہوں بھئی، سارے ہی ڈرامے ہیں یہاں۔" وہ امی کے پاس صوفے پر آ بیٹھا۔ انہوں نے اسے گھورا۔

"یہ جو منہ پھاڑ کے جواب دے دیتے ہو۔ اس سے ڈرتی ہوگی۔ چھوٹی سی تو ہے ابھی۔"

"اتنی بھی چھوٹی نہیں، انٹر میں آ گئی ہے۔ خیر چھوڑیں یہ سب کھانا دے دیں۔"

"آ رہی ہوگی ثمرین، وہی لگا دے گی۔" ان کے کہتے کہتے ہی ثمر واپس آ گئی تھی۔

"کھانا یہیں لے آنا یار، اب ڈائننگ پر کون جائے۔" وہ امی کی گود میں سر رکھ کر صوفے پر ہی لیٹ گیا۔ ثمر نے فوراً میز پر کھانا چن دیا تھا۔ وہ خود بھوک سے بے تاب تھی۔

"شکریہ میرا بچہ۔ اب مجھے بار بار اٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ تھوڑے بہت گھر کے کام کر لوں، اسی میں تھک جاتی ہوں۔" انہیں بے اختیار بھتیجی پر پیار آیا۔

"خیریت، دوا سے فرق نہیں پڑا۔ عمار لے کر تو گیا تھا ڈاکٹر کے پاس۔" اس نے پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بڑھاپے کی بیماریاں ہیں، دواؤں سے کہاں آرام آئے گا۔ یہ تو زندگی کے ساتھ چلتی ہیں۔ بس اب بہو لے آؤں گی تو ٹھیک ہوں گی۔" ان کے جواب پر عمار کو اپنا غم یاد آیا۔

"بہو آ کر انہیں صبح شام فزیوتھراپی کروائے گی نا۔ امی کی باتیں سنو بس۔ پتا ہے ہسپتال میں بھی یہی باتیں کر رہی تھیں، سب لوگ ہنس رہے تھے۔"

"تو لوگوں کو شرم نہیں آتی ہماری باتیں سنتے ہوئے اور چلو سن کر ہنس بھی لیے تو اس میں کیا برائی ہے۔" انہوں نے اس کے اعتراض کو چنداں اہمیت نہ دی۔

"کب کر رہی ہیں شادی، مجھے تو کپڑے بھی بنوانے ہیں۔ میرے سمسٹر بریک میں شادی کی تاریخ رکھے گا۔ پیپرز میں بالکل مزا نہیں آئے گا۔" ثمرین کی اپنی فکریں تھیں، اس نے اس شکوہ، جواب شکوہ کو نظر انداز کرتے تاکید کی۔ پھپھو بے اختیار مسکرائیں۔

"لڑکی ڈھونڈی نہیں اور تاریخ رکھنے چل دیں۔"

"لڑکی ڈھونڈنا کیا مسئلہ ہے۔ آپ حکم کریں۔ ابھی لائن لگا دوں گی۔ ایک سے ایک لڑکی ہے ہماری

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark

یونیورسٹی میں۔" اس نے شرارت سے کہا۔ مستقل بولتے ہوئے بھی اس کے کھانے کی رفتار پر فرق نہیں پڑا تھا۔ عمار اس کے ٹیلنٹ سے متاثر ہوتا اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

☆☆☆

اسکول ویز بچوں کو بہت صبح لے جاتی تھیں۔ اتنی صبح اکیلے کالج میں بیٹھنا بھی بے کار تھا۔ نعیم صاحب خود دیر سے جاتے تھے مگر انہیں بالکل مخالف سمت شاہراہ فیصل پر جانا ہوتا اگر زمین کو چھوڑنے جاتے تو خود لیٹ ہو جاتے۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد نعیم صاحب زمین کو وین تو نہیں لگوا سکے البتہ مسجد میں ذکر کرنے سے پچھلی گلی کی ایک لڑکی کے والد سے ملاقات ہوگئی۔ وہ لڑکی بھی اسی روٹ پر جاتی تھی سو زمین کا اکیلے جانے کا مسئلہ حل ہوا اور وہ دونوں اکٹھے رکشے میں آنے جانے لگیں۔

دوسری طرف رئیسہ بیگم اپنی الجھن میں تھیں۔ پہلے تو بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کے لیے بے قرار تھیں، اب جب وقت آیا تھا تو کوئی لڑکی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ خاندان کی ساری لڑکیاں ذہن میں گھوم گئیں مگر کسی جگہ خاندانی مسائل تو کہیں جوڑا اچھا نہیں۔ ان سب سوچوں میں الجھتے ہوئے ان کا کسی کام میں دل نہیں لگا تو سارے کام بعد پر اٹھا رکھتی عمار کے آفس جاتے ہی وہ بھائی کی طرف آگئیں۔ انہیں دروازہ بجانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کام والی دروازے پر ہی صفائی کر رہی تھی۔ اندر داخل ہوتے انہوں نے سلام کیا تو اخبار میں سر دیے چائے سے لطف اندوز ہوتے نعیم صاحب فوراً متوجہ ہوئے۔

"وعلیکم السلام آپا! کیا حال ہیں بھئی، کتنے دن بعد ملاقات ہو رہی ہے آپ سے۔" اخبار ایک طرف رکھتے انہوں نے گرم جوشی سے بہن کا استقبال کیا۔

"مجھے تو ان گھٹنوں کے درد نے پریشان کر رکھا ہے۔ روز سوچتی ہوں مل آؤں مگر ہمت ہی نہیں ہوتی۔" انہوں نے بھائی کے پاس بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔" انہوں نے دریافت کیا۔ نعیم صاحب کو بہن کی محبت میں بھانجے پر شک ہی رہتا۔ اس سے بے تحاشا انسیت رکھنے کے باوجود انہیں یہی ڈر رہتا کہ وہ لاڈ، پیار میں غیر ذمہ دار نہ ہو جائے۔

"فکر نہ کرو بھئی، بہت ڈاکٹروں کے چکر لگوائے میرے، ساری دوائیاں بھی عمار یاد سے کھلاتا ہے۔ اب بڑھاپے میں بھاگ دوڑ تو نہیں کر سکتے نا۔ بڑھاپا تو خود سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے۔" انہوں نے بھائی کو تسلی کروائی، لہجے میں محبتوں کا مان تھا۔

"آپ تو ابھی سے ایسی باتیں کرنے لگیں آپا، ابھی تو بہو لانی ہے۔" شمسہ بھابھی بھی ان کی آواز سن کر باورچی خانے سے باہر آگئی تھیں۔ اب تپاک سے ملتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"شکر ہے بہو لانے کے لیے کسی ریس میں حصہ نہیں لینا۔ ہم ایسے ہی کچھوے کی طرح رینگ رینگ کر چلے جائیں گے۔" انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے خوش مزاجی سے جواب دیا۔

"ماشاء اللہ نوکری تو فوراً اچھی مل گئی عمار کو۔ اب ترقی ہوتی رہے گی۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ جلدی شادی ہو تو آپ کی تنہائی بھی دور ہو۔" نعیم صاحب نے چائے پیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"رقیہ آپا بھی اسی لیے ثمرین کی شادی کی تاریخ مانگ رہی تھیں مگر اس لڑکی کو تو ماسٹرز کا جنون ہے۔ اس لیے دو سال کا وقت لے لیا۔" شمسہ بھابھی کو اپنی بہن کی تنہائی یاد آئی۔

"یہ باتیں ہوتی رہیں گی پہلے آپا کو چائے تو پلاؤ بھئی، بلکہ مجھے بھی جلدی سے گرم چائے لا دو۔ پھر نکلتا ہوں۔" انہوں نے گھڑی دیکھی تو بیگم کو دوبارہ دوڑایا۔

"کب تک ارادہ ہے ثمرین کی شادی کا۔ بچیوں کی شادی کے بعد تو گھر سونا پڑ جائے گا۔" رئیسہ بیگم اشتیاق سے پوچھتے قدرے آزردہ ہوئیں۔ بھتیجیاں انہیں بیٹیوں کی طرح عزیز تھیں۔

"بچیاں اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ پھر

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

ان کے بچے رونق لگانے آجائیں گے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ دونوں کی ساتھ ہی شادی کر دوں۔ جب تک ثمرین کا ماسٹرز ہوگا، زمین بھی گریجویٹ تو ہو ہی جائے گی۔ اسے ثمرین کی طرح زیادہ پڑھنے یا جاب کرنے کا بھی شوق نہیں۔" انہوں نے رسان سے بہن کو اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

رخسانہ بیگم نے کسی خیال سے چونکتے سر ہلایا اور بولیں۔

"یہ بھی سچ کہا آپ نے، بیٹیوں میں پلی بڑھیاں کب بڑی ہو جاتی ہیں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ ابھی کل کی بات لگتی ہے، چھوٹی سی زمین کو کیسے تنگ کرتے تھے سب اور کتنی ضد کرتی تھی وہ۔ اب ماشاء اللہ کتنی بڑی ہو گئی ہے۔" خسرہ بھابھی چائے کی ٹرے رکھتے مسکرائیں۔

"تاڑ سا قد نکال لیا ہے لیکن ہے ابھی بھی وہی بچپنے والی بے وقوف اور ضدی سی زمین۔"

"وقت کے ساتھ خود ہی سمجھ آجائے گی۔ ضدی تو ثمین بھی بہت تھا بچپن میں۔"

رخسانہ بیگم نے چائے کا کپ اٹھاتے بھائی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ بہن کی بات پر بے اختیار مسکرائے تھے جبکہ خسرہ بھابھی روایتی بیویوں کی طرح شکایت لگا رہی تھیں۔

"اب کون سا کم ضدی ہیں۔ اپنی ہی کرتے ہیں۔ اتنا اچھا رشتہ تھا۔ میری کزن کا بیٹا انگلینڈ میں ہوتا ہے زمین کے لیے پوچھ رہی تھیں تو صاف منع کر دیا۔ باہر بھی نہیں کرنا۔ کوئی فیملی ہو تو الگ بات ہے۔ اپنوں میں کیسا ڈر۔"

"یہاں اپنے پرائے کا مسئلہ نہیں ہے۔ بیٹی نظروں کے سامنے رہے گی تو دل ٹھنڈا رہے گا۔ زمین کے لیے یہیں اچھے رشتے مل جائیں گے پھر کیوں خود سے دور کریں۔" انہوں نے سمجھایا تو بھابھی نے متفق ہوتے ہوئے سر ہلا دیا جبکہ رخسانہ بیگم کسی سوچ میں گم تھیں۔

☆☆☆

رخسانہ بیگم سے دن گزارنا مشکل ہو گیا۔ بار بار یہی سوچتیں کہ یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔ ثمرین کی منگنی نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا پہلا دھیان وہیں جاتا۔ زمین کو ہمیشہ چھوٹا ہی سمجھا۔ اب دھیان دیا تو خیال آیا کہ وہ اتنی بھی چھوٹی نہیں۔ جب باہر سے اس کے رشتے آ رہے ہیں تو وہ کیوں پیچھے رہیں۔ بیٹی کو بہو بنانے کا خیال اتنا خوش آئند تھا کہ ان سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ انہوں نے بمشکل خود کو بھائی سے بات کرنے سے روکا۔ عمار کے علم میں لائے بغیر وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

آج ہی عمار کو واپسی میں دیر ہو گئی۔ اس نے ماں کو فون پر ہی کھانا کھانے کی تاکید کر دی تھی تاکہ وہ الیٹ نہ ہو۔ وہ خود بھی کھانا کھا کر آیا تھا۔ ان کی بے قراری عروج پر تھی۔ جیسے ہی وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا وہ بلا تمہید بولیں۔

"میں سوچ رہی تھی۔ تمہارے لیے زمین کا رشتہ مانگ لوں۔ اچھا ہے گھر کی لڑکی ہو گی تو مجھے بھی کوئی مشکل نہیں ہو گی۔"

"کیا۔" عمار بری طرح چونکا۔

"اتنی چھوٹی ہے وہ مجھ سے۔"

"چھ آٹھ سال سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہارے ابو مجھ سے دس سال بڑے تھے۔" انہوں نے بے نیازی سے اس کا اعتراض رد کیا۔

"مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا امی۔ اسے تو میں روتے دھوتے دیکھا ہے۔ ابھی کچھ پڑھنے آئی تھی مجھ سے۔ ذرا ذرا سی بات پر آنسو بہتے تھے اس کے۔" عمار کو الجھن ہوئی۔

وہ اسے ٹھس پڑھاتا تھا۔ زمین ٹھس میں بالکل اچھی نہیں تھی اور قطعی عمار سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عمار ہمیشہ غصہ کرتا اور زمین روتے ہوئے باہر جاتی۔

"چھوٹی تھی تب تو۔ تم چلانے بھی انداز دے ہو۔ لڑکیاں ایسے ہی نازک دل کی ہوتی ہیں تمہیں کیا پتا۔"

امی نے بات ختم کی۔ ان کے انداز سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ اس کی رائے جاننے نہیں بلکہ اسے

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

اطلاع دینے آئی ہیں۔

عمار نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔ جب فیصلہ امی پر ہی چھوڑ دیا تھا تو پھر وہ کوئی بھی ہوتی۔ اس نے سر جھٹک کر بات ختم کی۔

☆☆☆

رئیسہ بیگم نے بھائی، بھابھی سے بات کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ انہوں نے حتمی جواب کے لیے کچھ وقت لیا تھا۔

شمسہ بیگم آج لڑکیوں کے کمرے میں اسی ارادے سے آئی تھیں۔ نرمین اپنا پریکٹیکل جرنل کھولے کوئی ڈایاگرام بنا رہی تھی۔ ثمرین کپڑوں کی الماری میں گھسی تھی۔ بیڈ پر نرمین کے ساتھ بیٹھتے انہوں نے مناسب الفاظ میں بات شروع کی۔

نرمین جہاں اس رشتے کا جان کر حیران و پریشان سی پینسل ہاتھ میں لیے انہیں دیکھ رہی تھی وہیں ثمرین خوشی بھری بے یقینی سے چیخ مارتے کپڑے وہیں چھوڑ کر سامنے آ بیٹھی۔

"کب بات کی پھپھو نے، پوچھوں گی میں پھپھو اور عمار سے، کیسے چپکے چپکے رشتہ مانگ لیا۔ مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ چہکی تھی۔

"خاندان میں ایسا ہی ہوتا ہے، پہلے سے کیا اعلان کرنا، جب مثبت جواب مل جائے گا تو مٹھائی کے ساتھ آ جائیں گی آپا۔" شمسہ بیگم نے ثمرین کو گویا سمجھایا تھا۔ وہ بڑی تھی، سمجھ دار بھی تھی مگر شوخ و چنچل ہونے کی وجہ سے اکثر امی کی نصیحتیں سنتی رہتی۔

"تو ابو کیا منع کریں گے۔" اس نے تفکر سے پوچھا۔ نرمین نے بھی جواب کی منتظر نظریں امی پر گاڑ دیں۔ جب وہ خود ان دونوں کو بتانے بیٹھی تھیں تو وہ بلاوجہ کی شرم و حیا کا مظاہرہ کیا کرتی۔ درحقیقت اسے شرم سے زیادہ گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں، منع تو کیا کرنا۔ مجھے خود عمار پسند ہے۔ تم لوگوں کی رائے لینی ہے بس۔" امی نے ثمرین کو جواب دیتے نرمین کو دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کے ہوائیاں اڑے تاثرات دیکھ کر انہیں اس پر پیار آیا تھا۔ انہوں نے اسے پیار سے ساتھ لگایا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، ہوتا تو نرمین کو بھی نہیں چاہیے۔"

ثمرین نے حسب سابق بولنے میں پہل کی تھی۔ شمسہ بیگم نے نرمین کی طرف دیکھا۔

"مجھے پڑھنا ہے ابھی۔" اس کی آنکھیں فوراً بھری تھیں۔

"تو پڑھنے سے کس نے منع کیا۔" ثمرین کی بات پر امی نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تم تھوڑی دیر چپ کر جاؤ۔ نرمین تم بولو۔ ابھی تو بس رشتہ سمجھو۔ شادی تو دونوں کی ساتھ ہی کرنے کا ارادہ ہے۔ آپا بھی یہی کہہ رہی تھیں، شادی کے بعد بھی جتنا مرضی پڑھے۔" انہوں نے اس کی تسلی کروائی مگر اس کے بہتے آنسوؤں کی رفتار میں کمی نہ آئی۔

"مجھے عمار بھائی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ ایک دم غصے میں آ جاتے ہیں۔" اب اس نے سچ اگلا۔

"ارے لیکن۔۔۔"

ثمرین کچھ بولنے لگی تھی مگر امی کی نظریں محسوس کر کے خاموش ہو گئی۔

"بیٹا۔ کسی نئی جگہ بھی رشتہ کریں گے تو لڑکے کا مزاج کیسے جانیں گے۔ عمار تو سامنے کا بچہ ہے۔ غصے کا تیز ہے مگر باادب، لحاظ والا ہے۔" انہوں نے تسلی کروانی چاہی۔ نرمین نے سر ہلاتے خود ہی آنسو پونچھ لیے۔

"کل آپا کو ہاں کہنے کا ارادہ تھا۔ سوچ لو، پھر بھی دل نہ مانے تو بتا دینا۔"

وہ ایک دم روشن خیال ماؤں کی طرح فری ہینڈ دیتی اٹھ گئی تھیں مگر انہیں اپنی بیٹیوں کا معلوم تھا۔

نرمین نے وہیں "جو آپ کی مرضی" کہہ کر بات ختم کی۔ ساری دلیلیں ثمرین کے منہ میں ہی رہ گئیں جو اسے دینی تھیں اور وہ "یاہو" کا نعرہ لگاتے امی کے پیچھے لپکی تھی۔ نرمین نے خفگی سے دروازے کو گھورا۔ اس وقت ثمرین اس سے زیادہ عمار کی بہن لگ رہی تھی۔ وہ ساری چیزیں ایک طرف کر کے لیٹ گئی۔ ذہن میں

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

بے شمار سوچوں کی یلغار ہوئی تھی۔

مزاج کے تیکھے سہی لیکن دیکھنے میں عمار بھائی بہت اچھے ہیں۔ سوچتے سوچتے اس کے لب پر مدھم مسکان آ گئی۔

☆☆☆

اگلے دن شام میں رئیسہ بیگم مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں کے ساتھ رشتہ مانگنے آئی تھیں۔

رئیسہ بیگم نے ثمرین کے سسرال کی حیثیت سے بہن کو بھی بلا لیا۔ ریان آیا تو عمار کو بھی ساتھ لے آیا۔ یوں تو گھر کے ہی لوگ تھے مگر خوش گپیوں اور چہل پہل سے تقریب کا سا سماں ہو گیا تھا۔ خواتین اپنی گفتگو میں مصروف تھیں۔ خالو کم ہی آتے تھے تو نعیم صاحب انہیں پورا وقت دے رہے تھے۔

ثمرین چائے، کھانے کے انتظام کرتی، مصروف سی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ زرمین سب سے مل کر جو اندر گئی تو ثمرین کے اصرار پر محض کچن میں اس کی مدد کروانے پر تیار ہوئی۔ وہ سب کے ساتھ بیٹھنے سے ہچکچا رہی تھی جبکہ ثمرین اعتماد سے سارے کام نمٹا رہی تھی۔ یوں تو وہ اور ریان سب کے سامنے گفتگو کرتے اچھے نہ لگتے مگر عمار تو اس کا دوست، بھائی سب ہی کچھ تھا۔ بازار سے کچھ لانے، ویسے ہی چائے دینے یا ہونے والے بہنوئی کو تنگ کرنے وہ ان کے پاس چکر لگا جاتی۔

اب بھی ریان کافی دیر سے متلاشی نگاہوں سے ثمرین کو دیکھ رہا تھا۔ جب کافی دیر تک وہ کچن سے نہیں نکلی تو عمار سے فرمائش کی۔

"یار ثمرین سے چائے ہی بنوا لو۔" خود وہ ثمرین کو آواز لگاتا یا اٹھ کر جاتا تو بلاوجہ سب کی نگاہوں کا مرکز بنتا۔ عمار نے اسے گھورا۔

"کھانے کا وقت ہے، چائے ہی بناتی رہیں گی تو کھانا کب لگائیں گی۔"

"لگانا ہی ہے، آدھا کھانا تو بازار سے منگوا لیا۔ چل، پانی ہی منگوا لے۔" جتا کر کہتا وہ زچ ہوا۔ منگنی کے بعد سے ثمرین ان کے گھر جانے سے بھی گریز ہی کرتی۔ ریان جب یونیورسٹی جاتا تو اسے پک اینڈ ڈراپ کی آفر ضرور کرتا مگر ایسا چکر بھی کہیں مہینے، دو مہینے میں ہی لگتا۔ وہ تو روز، یونیورسٹی چلا جاتا مگر اس کے پی ایچ ڈی سپروائزر خود بھی یونیورسٹی میں کم ہی نکلتے۔ وہ انٹرنیشنل لیول کے پروفیسر تھے۔ کانفرنسز اٹینڈ کرنے کے لیے ہی اکثر ملک سے باہر رہتے۔

"مجھے تو پیاس نہیں لگی۔" عمار نے اس کی بے چینی سے حظ اٹھایا۔ ریان نے اسے گھورتے زرمین کو آواز لگائی۔

"زرمین، ٹھنڈا پانی پلا دو گڑیا۔" عمار کی نظریں بے اختیار کچن کے دروازے کی طرف اٹھیں۔ اسے خود اپنے بدلتے جذبات پر حیرت ہوئی تھی۔ شاید ریان کی ثمرین کے لیے بے تابی کا اثر تھا۔ وہ بھی اندر ہی اندر زرمین کو دیکھنے کا خواہاں تھا۔ اس کے چہرے پر بھی شرمیلی مسکان یا شاید کھلتی مسکراہٹ، کیسی لگ رہی ہو گی وہ۔

اس کے دل میں خواہش نے سر اٹھایا۔ کچن کو اس کی نظروں کا مرکز بنا دیکھ کر ریان شرارت سے ہنسا تھا۔ چند لمحوں بعد کچن سے ثمرین نکلی تھی اور عجلت میں ٹھنڈے پانی کی بوتل رکھ کر چلی گئی تھی۔ عمار نے دل پر چھائی مایوسی محسوس کی مگر بظاہر ریان کو چھیڑا۔

"پانی سر پر ڈالو اور ٹھنڈے ہو جاؤ۔"

"کوئی بات نہیں، اگلے ہفتے گھر سے پک کروں گا یونیورسٹی کے لیے۔" ریان نے عزم ظاہر کیا۔ عمار مسکراتے ہوئے دل میں کچھ طے کر رہا تھا۔

☆☆☆

"نکاح..... جب شادی ہو گی تو ساتھ ہی ہو جائے گا نکاح۔ ابھی سے کیا ضرورت ہے۔" نعیم صاحب بہن کے مطالبے پر حیران ہوئے تھے۔

"میرے کون سے بہت سے بچے ہیں۔ میں عمار کی ساری خوشیاں کرنا چاہتی ہوں۔ حسن کے انتقال کے بعد سے اس کے ددھیال سے بھی کوئی خاص رابطہ نہیں، سگے بہن، بھائی نہ سہی، کزن تو سارے ہیں حسن کے۔ ہال میں نکاح کروں گی تو

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark
jaanshayari.com

سب کو بلا لوں گی۔" انہوں نے بیٹے کا نام لیے بنا بھائی کی تسلی کروائی۔ جب کہ اس کی فرمائش سنتے ہی انہیں بھی پہلا جھٹکا حیرت کا ہی لگا تھا مگر دانستہ یہ بات چھپا گئیں۔ بھائی اور بیٹے دونوں کو جانتی تھیں۔ عمار کی خواہش کو غیر ضروری جان کر وہ منع کر دیتے تو وہ بلاوجہ ضد میں آتا۔

"جب رشتہ ہو گیا تو کیا منگنی کیا نکاح۔ شادی پر سب کو بلا لیجیے گا۔" وہ تذبذب میں تھے۔ ثمرہ بیگم خاموشی سے بہن بھائیوں کے مکالمات سن رہی تھیں۔ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ وہ خود ایسی تقریبات اور رونق کی دلدادہ تھیں مگر نعیم صاحب کی سادگی پسند طبیعت ان سب چیزوں سے گھبراتی تھی۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ جب رشتہ ہو گیا تو نکاح بھی کر دو۔ بس تم خود ہال معلوم کرو اور اس حساب سے تاریخ رکھ کر بتا دینا۔ میں اور ثمرہ، ثمرین سے مہمانوں کی لسٹ بنواتے ہیں۔" انہوں نے بڑی بہن ہونے کا فائدہ اٹھاتے حکم صادر کیا تو وہ احتراماً خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

عمار نے سادہ سے نکاح کی خواہش کی تھی مگر نکاح اتنا مشکل بن جائے گا، اسے اندازہ بھی نہ تھا۔ کبھی امی کے ساتھ بلاوا دینے جاتا ہوتا تو کبھی ماموں کیٹرنگ والے کے پاس بھیج دیتے۔ امی کے لیے بار بار بازار جانا مشکل تھا مگر انہیں اپنی بہو کے لیے بہت کچھ لینا تھا۔ اس لیے شاپنگ کی ذمہ داری مامی اور ثمرین کے سر تھی مگر آج نکاح کے سوٹ کے لیے اسے سب خواتین کو لے کر بازار جانا تھا۔ امی کسی ٹیکسی میں جانے کو تیار نہ تھیں۔ اس شاپنگ کے لیے وہ بالخصوص لنچ آورز میں آفس سے چھٹی لے کر آیا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا ہارن بجاتا خود پر افسوس کر رہا تھا کہ نکاح کی فرمائش کرتے ہوئے مسجد میں نکاح کا کیوں نہیں کہا۔

"آ گئے بھئی، تم تو جلدی مچا رکھتے ہو۔" امی خوش گواریت سے کہتے اگلا دروازہ کھول کر بیٹھی تھیں۔

خوشی نے انہیں سارے درد بھلا رکھے تھے۔ وہ آج کل کتنے سوٹ لینے چاہییں، سینڈل کیسے ہوں اور جیولری، کا کمبنیشن کہاں سے لی جائیں قسم کی ہی باتیں کرتی تھیں۔ اسی لیے زیادہ وقت ماموں کے گھر گزرتا۔ امی کے پیچھے ہی مامی، ثمرین اور نرمین کے ہمراہ آئی تھیں۔ نرمین کو اس نے پہلی بار غور سے دیکھا تھا۔ ایک دلکش مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی تھی۔ نرمین اس کی مسکراہٹ سے پزل ہوئی تھی۔ اندر بیٹھ کر وہ سب ایک بار پھر اپنے من پسند موضوع پر بات کرنے لگیں۔

آج انہیں نکاح کے فنکشن میں پہننے کا سوٹ لینا تھا۔ نرمین عمار کی موجودگی کا احساس کر کے بولنے سے گریز ہی کر رہی تھی۔ یہ اور بات کہ ہر تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی اس کی رائے مانگتا۔ کبھی مامی غرارے پر ناک چڑھاتیں تو ثمرین کو فراک پاجامہ آؤٹ ڈیٹڈ لگتا۔ شرارہ نرمین پہننے کو تیار نہ تھی۔ عمار بالکل خاموشی اور شرافت سے ڈرائیونگ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ البتہ شاپنگ مال میں ان کا تصفیہ کروانے کے لیے اس نے سوٹ پسند کرنے میں پورا ہاتھ بٹایا۔ ثمرین کے احتجاج کے باوجود دونوں خواتین نے عمار کے کہنے پر رسٹ کلر کا ٹراؤزر شرٹ لے لیا تھا۔ عمار کی مسکراہٹ، اس کی ہر چیز میں دلچسپی نرمین کے ہزار خدشوں بھرے دل کو پرسکون کر گئی تھی۔ ثمرین اور ریان کی طرح ان کی نسبت پسند کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی مگر وہ دونوں خوش ہیں۔ یہی بات اس کے اطمینان کو کافی تھی۔

☆☆☆

بہت انتظار کے بعد وہ خوشیوں بھرا دن آ گیا تھا۔ دلہن کو پارلر سے لانے کی ذمہ داری ریان کی تھی جو وہ بخوشی ادا کرنے کو تیار تھا۔ نرمین کے ساتھ ثمرین پارلر گئی تھی۔ گو نرمین کی خاص تاکید پر اس کا میک اپ ڈارک نہیں کیا گیا تھا مگر بھاری لباس اور جیولری، مہندی کے ساتھ زندگی میں پہلی بار اتنا زیادہ تیار ہو کر وہ بہت کنفیوز تھی۔ کبھی اسے لگتا کہ اس کا

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

میک اپ اوور لگ رہا ہے تو کبھی اونچی ہیل پہن کر چلنے میں گرنے کا خوف ستاتا۔ اس کے تمام خدشے ثمرین نے ہنسی میں اڑائے تھے۔ وہ خود سلیقے سے میک اپ کیے تیار اپنی سیلفیز لینے میں مگن تھی۔

ریان کی کال پر وہ دونوں پارلر سے باہر نکلیں۔ ان کے انتظار میں دروازے پر نظریں مرکوز کیے ریان کی ستائشی نظریں اس پر ہی جمی تھیں۔ اس نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا۔ ثمرین نے سب کچھ سیٹ پر ڈھیر کر دیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، تم خود بیٹھنا یہاں۔" ریان کی نظروں کا انداز بدلا۔ اب اس نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

"نرمین پریشان ہو رہی ہے، اس کے ساتھ ہی بیٹھوں گی۔" ثمرین نے سبک خرامی سے آتی بہن پر نظر ڈالتے جواب دیا تو ریان نے بے چارگی سے سر ہلایا پھر کچھ خیال آنے پر بولا۔

"مجھے تو یہ افسوس ہو رہا ہے کہ اتنا اچھا آئیڈیا عمار کو آ گیا اور ہم ایسے ہی خوار۔ لیچپن کی منگنی میں۔ کیا خیال ہے آج ہم بھی نکاح کروا لیں۔" اپنی نادانی کا افسوس کرتے ریان نے شرارت سے مشورہ لینے کے انداز میں کہا۔

"کون سی فلم دیکھ کر آئے ہیں، جو ایسے خواب آ رہے ہیں۔ دو منٹ میں سیدھا کر دیں گے میرے ابا۔" اس نے تیکھے چتون سے گھورا۔ پھر ریان کے جواب سنے بغیر نرمین کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔

ریان نے منع کرتے ہوئے اسپیڈ بڑھانا چاہی مگر سامنے سگنل سرخ ہو گیا، نہ چاہتے ہوئے بھی اسے گاڑی روکنی پڑ گئی۔ نرمین سینڈل اتار کر اب سکون سے بیٹھی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف موجود گجرے والے کو دیکھ کر ریان نے ثمرین کے خالی ہاتھوں پر نظر دوڑائی۔

"تم نے گجرے نہیں پہنے، لے لو۔"

نرمین نے مسکرا کر بہن کو دیکھا۔ اس نے پارلر میں ہی ثمرین کو کہا تھا کہ خود بھی پہن لو، ریان بھائی سے ہار پھول منگوائے ہیں، تم نے گجرے نہیں پہنے تو انہیں افسوس ہوگا۔ "اب وہی بات ہو گئی۔" "میرے گجرے تو اسی پیکٹ میں ہیں، جو ہال میں بھجوایا ہے۔ امی، پھپھو، خالہ سب کے لیے منگوائے تھے۔ مجھے ابھی چیونگم لا دیجیے گا بس یاد سے۔" اس نے ریان کی تسلی کرواتے فرمائش کی۔

"چیونگم ـــــ ابھی ضروری ہے کیا؟" غیر متوقع خواہش پر ریان نے تحیر بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔ ثمرین چھوٹا سا آئینہ ہاتھ میں پکڑے جانے کس کام میں مصروف تھی۔

"میرا لپ سٹک سیٹ نہیں ہو رہا۔ چیونگم سے چپکاؤں گی۔" اس نے کمال اطمینان سے جواب دیا، ریان کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔

"گندی ـــــ چیونگم لگاؤ گی ماتھے پر۔" منہ بند کرتے وہ بس یہی کہہ سکا مگر ثمرین نے برا مان کر ترنت جواب دیا تھا۔

"اس میں ایسی کیا بات ہے۔ نرمین کا لپ بھی پارلر والی نے پوائنٹ یو سے جوڑا ہے۔ وہ بہت پاک صاف ہے نا۔" ریان نے سر جھٹک کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

ہال کے سامنے گاڑی روکتے اس نے دروازے پر کھڑے عمار کو دیکھا تو اشارے سے بلایا۔ نرمین اطمینان سے دروازہ کھول کر اتر رہی تھی جب عمار برابر میں آ کھڑا ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر سر جھکائے اندر بھاگی تھی۔ عمار فرنٹ سیٹ سے سامان اکٹھا کر رہا تھا۔ ثمرین بھی سیدھی اندر چلی گئی۔ جانتی تھی کہ اب عمار اندر سامان دے جائے گا۔ ہال میں ابھی مہمان نہیں پہنچے تھے۔ نرمین کو سامنے ہی ابو مل گئے۔ انہوں نے اسے برائیڈل روم دکھا دیا۔ ثمرین کو امی نے آواز دے لی تھی۔ عمار سامان پکڑے ثمرین پر نظر ڈالتا برائیڈل روم کی طرف گیا۔ وہ ادھر ہی آ رہی تھی۔ دروازہ کھولا تو نرمین صوفے پر بیٹھی سامنے کرسی پر پاؤں رکھے سینڈل پہننے میں مصروف

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

تھی۔ کیونکہ اونچی ہیل کی وجہ سے گاڑی میں سلیپر پہن لیے تھے۔ رشتہ بدلنے سے خیالات بھی بدلے تھے۔ اتنے دن اسے سوچا تھا۔ اب خاص اپنے لیے کی سنوری زمین کو دیکھ کر موڈ پر اچھا اثر پڑا تھا۔

''کوئی چوڑیاں، انگوٹھیاں ہوتیں تو میں رومانس جھاڑتا اچھا بھی لگتا۔ اب تو میں یہ آفر بھی نہیں کر سکتا کہ لاؤ میں پہنا دوں۔'' وہ مسکرا کر کہتا سارا سامان ایک کونے میں رکھ رہا تھا۔ زمین کا جھکا سر جھکا ہی رہ گیا۔ عمار بھائی کا مسکراتا لہجہ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔ زمین نے سوچا مگر نظر ملانے سے گریز ہی کیا تھا۔ ثمرین دروازہ کھولتے اندر آئی تھی۔

''شرم کرو دلہا میاں۔ یوں دندناتے ہوئے اندر چلے آئے۔ ہمارے خاندان میں یہ سب نہیں ہوتا۔'' اس نے شوخی سے جملہ کسا۔

''ہمارے ہاں تو ہوتا ہے دلہن کی بہنا۔۔ ہم اپنی رسموں پر چلیں گے۔'' وہ جواب دیتا باہر نکل گیا۔ زمین کی رکی سانس بحال ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ہی مہمان جمع ہونے لگے اور فوراً نکاح پڑھا کر کھانا کھول دیا گیا۔ کھانا شروع ہونے پر زمین نے چین کا سانس لیا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد پھپھو کے سسرالی، یا دوست احباب کوئی نہ کوئی دلہن دیکھنے چلا آتا تھا۔ سب سے مسکرا کر ملنا، اتنی دیر تکلف برتنا اسے تھکا گیا تھا۔ ابھی وہ تسلی سے بیٹھی بھی نہیں تھی کہ ثمرین اسٹیج پر لے جانے چلی آئی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے کیمرا ریان کو دیتے دونوں کی تصویر بنوائی۔ تصویروں یا مووی کے لیے فوٹو گرافر بلانا نعیم صاحب کو پسند نہ تھا۔ ثمرین خود ہی کیمرے سے تصویر لے رہی تھی۔ زمین کو ساتھ لا کر بٹھانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان کی ایک ساتھ چند فوٹو گرافس ہو جائیں۔

عمار پہلے سے اسٹیج پر موجود تھا۔ احتیاط سے سیڑھیاں چڑھتے زمین نے لحظہ بھر کو نظر اٹھائی تھی۔ عمار اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے نظر جھکا کر دوسرا قدم اٹھایا۔ عمار اسے بالکل سامنے دیکھ کر استقبال کو کھڑا ہوا اور بے اختیار اس کا پاؤں مڑا، اس نے ساتھ چلتی ثمرین کو پکڑنا چاہا مگر وہ پیچھے ہی ہاتھ میں آیا۔ عمار نے ہاتھ بڑھا کر فوراً اسے سہارا دیا تھا۔ لمحہ بھر کی بات تھی۔ سیدھا کھڑے ہوتی خفت سے دوچار وہ ان دونوں کے درمیان سے نکلتی خود صوفے پر بیٹھ گئی۔ شرمندگی کے مارے وہ پاؤں مڑنے کی تکلیف بھی بھول گئی تھی۔

''کیا سین تھا، زبردست، کیپچر کرنا چاہیے تھا۔'' ثمرین نے شرارت سے داد دیتے اسٹیج کے ایک طرف کھڑے ریان کو دیکھا۔

''تمہاری بہن نے موقع ہی نہیں دیا۔ میں تو اب بھی ری ٹیک کے لیے تیار ہوں۔'' عمار نے جوابی شوخی کا مظاہرہ کیا۔

''کیپچر تو کیا ہے میں نے مگر میرا فوکس کہیں اور تھا۔''

ریان نے شرارت سے دخل دیا۔ ثمرین کا چہرہ گلابی پڑا۔ جبکہ عمار کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''خدا کے لیے بھائی، اپنا فوکس درست کر لے، یہ میرے نکاح کی تصویریں ہیں، کہیں تو میں اور میری بیوی بھی نظر آئیں۔'' ان کی باتیں سنتے زمین نے اس کا لہجہ محسوس کیا تھا۔ نکاح کے چند بول ان کے درمیان تعلق کی نوعیت بدل گئے تھے۔ لیا دیا سا رہنے والا عمار کتنے حق سے اسے ''میری بیوی'' کہہ رہا تھا۔

پھپھو کے اس طرف آنے پر گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھیں۔ انہیں عمار کی پسند سے رشتہ طے کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر اکلوتے بیٹے نے زندگی کا فیصلہ ان کی مرضی سے کیا تھا۔ ان کی بیٹیوں جیسی بھتیجی ہی بہو بنی تھی۔ یہ خیال بہت خوش کن تھا۔ انہوں نے زمین کو پہنانے کے لیے کنگن نکال کر عمار کو پکڑائے۔ ان کی روشن خیالی ریان کا دل جلا رہی تھی۔ وہ موقع ملتے ہی ثمرین کو کچھ نہ کچھ کہہ کر اس کے تاثرات انجوائے کر رہا تھا۔ عمار نے پوری توجہ سے زمین کو دیکھتے اس کی کلائی میں کنگن ڈالا تھا۔ کنگن ڈھیلا سا تھا فوراً کلائی میں چلا

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

گیا مگر عمار نے ہاتھ نہ چھوڑا۔ اس پر نظر جمائے سب کی ہونگ سنتے دھیرے سے "بہت اچھی لگ رہی ہو۔" بھی کہہ دیا مگر نرمین نے پلکیں اٹھا کر نہ دیں۔

"تعریف کرنے کو نہیں کہہ رہا مگر ایک نظر دیکھ تو لو بعد میں تمہیں ہی افسوس ہوگا۔" اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ نرمین نے بے اختیار نظر اٹھائی اور اس کی آنکھوں میں روشن اپنا عکس دیکھتے ہی دوبارہ پلکیں جھکا لیں۔ ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا مگر نرمین کو تنگ کرنے کے لیے ریان چلایا۔

"نہیں، تصویر ٹھیک نہیں آئی۔" عمار نے دوبارہ ہاتھ پکڑ کر پوز دیا۔ سب کے قہقہوں سے گھبرا کر نرمین نے ہاتھ زور سے کھینچا اور خفا انداز میں گود میں رکھے دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

"ایک تصویر اور۔۔۔" ریان چلایا۔ عمار نے ایک نظر نرمین پر ڈالی پھر مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"کافی ہیں بھئی، تمہاری تصویریں ہو گئیں تو میں نیچے اتروں۔" وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ ماموں اکیلے ویٹرز کے ساتھ لگے تھے۔ اس وقت ان کی مدد تصویروں سے زیادہ ضروری تھی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اسٹیج پر نہیں آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی نرمین بھی برائیڈل روم میں چلی گئی۔

سب مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد گھر والوں کے لیے کھانا لگ رہا تھا۔ نرمین، ثمرین بھی وہیں آ کر بیٹھ گئیں۔ امی، پھپھو اور خالہ تقریب کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ نعیم صاحب مسکراتے ہوئے ان کے تبصرے سن رہے تھے۔ بیٹوں کی طرح بھاگ دوڑ کرتے ریان اور عمار کو دیکھ کر انہیں دلی خوشی ہو رہی تھی۔ کام کا مسئلہ نہ تھا۔ وہ خود بھی سب سنبھال ہی لیتے مگر ان کی اپنائیت محسوس کر کے دل مطمئن ہو رہا تھا۔ والدین کا سکون اولاد سے جڑا ہوتا ہے۔ اولاد کو تکلیف پہنچے تو والدین کی نیندیں اڑتی ہیں۔ اسی لیے اولاد کا رشتہ منتخب کرتے وقت یہی مد نظر رہتا ہے کہ آئندہ زندگی میں ان پر غم کی پرچھائیں تک نہ آئے۔ آج وہ اپنی بیٹیوں کی طرف سے بے فکر ہو گئے تھے۔ یقیناً اپنے آنگن کی کلیوں کو انہوں نے جن کے نام کیا ہے وہ ان کلیوں کو مرجھانے نہیں دیں گے۔ خوشیوں اور محبت بھری فضا میں ان کی کلیاں سدا سرسبز رہیں گی۔

☆☆☆

وہی گھر تھا، وہی لوگ تھے مگر احساسات جدا تھے۔ عمار آفس جانے کے لیے نکلتا تو اکثر نرمین کا رکشہ آیا ہوا ہوتا۔ بے وجہ مخاطب تو کبھی نہیں کیا مگر ایک جان دار مسکراہٹ وہ ضرور نرمین کی طرف اچھال دیتا۔ نرمین بھی اب اس سر راہ ٹکراؤ کی عادی ہو گئی تھی۔ گھر سے نکلتے ہی بے اختیار نظر برابر والے گھر تک جاتی۔ اس کی تر و تازہ مسکراہٹ ایک میٹھی مسکان اس کے لب پر لے آتی۔

آج بھی حسب معمول عمار اپنے وقت پر نکلا تھا۔ گاڑی کی طرف جاتے اس نے برابر میں نگاہ ڈالی۔ رکشہ نرمین کے انتظار میں کھڑا تھا مگر خلاف معمول اس کی ساتھی لڑکی موجود نہیں تھی۔ رکشے والے کی صورت بھی اجنبی تھی۔ روز دکھائی دینے والے باریش بزرگ کے بجائے کوئی اور ڈرائیور موجود تھا۔ اسی وقت دروازہ کھول کر نرمین باہر آئی تھی۔ رکشے والے کو دیکھ کر ٹھٹکی، پھر چند لمحے بعد آگے بڑھی۔ اس کا تذبذب عمار نے واضح محسوس کیا تھا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر نرمین کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا؟ آج تمہاری دوست نہیں آئی؟ رکشا بدل لیا ہے۔" اس نے پاس جاتے ہی بلا تمہید سوالات کی یلغار کی۔

"السلام علیکم۔"

نرمین نے کنفیوز ہو کر جواب دینے کے بجائے جھٹ سلام جھاڑا۔ وہ مسکرا دیا۔

"وعلیکم السلام۔ اب جواب ملے گا۔" عمار نے چوٹ کی۔

"وہ دوسرے کالج کی ہے۔ ان کے کالج میں چھٹیاں ہو گئی ہیں۔ یہ رکشے والے بابا کا بیٹا ہے۔

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

جب ان کی طبیعت خراب ہو تو اسے بھیج دیتے ہیں۔"
نرمین نے اب اعتماد سے تسلی بخش جواب دیا مگر عمار کو اس کا ٹھٹکنا بھی یاد تھا اور ویسے بھی وہ اسے جانتا تھا۔ راستے یاد رکھنے میں نرمین کوری تھی، اسی لیے اکیلے آنے جانے سے گھبراتی تھی۔ تب ہی گھڑی دیکھتے عمار نے لمحوں میں فیصلہ کیا۔

"اسے واپس بھیجو، میں تمہیں کالج چھوڑتا ہوں۔" نرمین بلا تردد رکشے کی طرف بڑھی تھی۔

رکشا واپس بھجواتے وہ گاڑی میں بیٹھی تو اس بات سے لاعلم تھی کہ اپنے گھر کا بڑا دروازہ کھول کر گاڑی باہر نکالتے ان کے پڑوسی سلطان صاحب کی نظریں ان پر ہی مرکوز تھیں۔

"ویسے رکشا ڈھونڈتے پھر رہے تھے نعیم صاحب بیٹی کے آنے جانے کے لیے۔ اب دیکھو۔" انہوں نے پاس کھڑی بیگم کے سامنے تبصرہ کیا۔

بیگم نے بھی یہ بھول کر تجسس بھری نظریں عمار کی آگے بڑھتی گاڑی پر دوڑائی تھیں۔

بلا سبب کسی کی کرید میں رہنا اور بے وجہ تجسس منع ہے۔ شیطان نے وسوسے کا بیج بو دیا تھا، جو بڑھ کر بدگمانی جیسا گناہ بنتا۔ اب ان کی فطرت تھی اس کی پرورش کرتے یا اسے استغفار کے اسپرے سے وہیں مار ڈالتے۔

"تم بس سے کیوں نہیں جاتیں۔" گاڑی چلاتے عمار نے بات برائے بات پوچھا تھا۔

"بس ملتی کہاں ہے، ساری بھری ہوئی ہوتی ہیں۔" اس نے ناک چڑھا کر جواب دیا۔

"ہم..... ٹرانسپورٹ کا نظام تو اب واقعی بہت خراب ہو گیا ہے۔ تمہارے پیپرز کب ہیں، جب تمہاری دوست کا کالج بند ہو گیا تو تمہارا کیوں نہیں ہوا۔" تائیدی انداز میں سر ہلاتے عمار نے دوسرا سوال داغا۔ اس کا پورا دھیان ڈرائیونگ پر تھا۔ بات کرتے ہوئے نرمین کو دیکھتا بھی تو اس کے انداز میں ایسا کچھ نہیں تھا جو اسے پزل کرتا۔ وہ بھی ریلیکس ہو کر جواب دینے لگی۔

"بس اب آج کل میں ڈیٹ شیٹ مل جائے گی۔ پھر ہمارا بھی کالج آف ہو جائے گا۔"

"اللہ کرے سینٹر کسی ڈھنگ کی جگہ پر پڑے۔ اب کی بار تو پیپر بھی دوسری شفٹ میں ہیں، کیسے جاؤں گی میں۔" مفصل جواب دیتے نرمین کو اپنا دکھڑا یاد آیا۔ عمار کے دوستانہ انداز کی وجہ سے ان کے درمیان کھڑی تکلف کی دیوار گر رہی تھی۔

"مجھے حکم کر دیا کرو یار، میں ہوں نا تمہارا ڈرائیور، جب جہاں کہو۔" عمار کے اچانک شرارتی انداز نے اسے ایک بار پھر چپ رہنے پر مجبور کیا۔ مگر فوراً ہی اس نے اپنی جھجک پر قابو پا کر بے لاگ جواب دیا تھا۔

"آپ سے اتنی اچھی امیدیں ہیں تو نہیں مگر آپ کہتے ہیں تو یقین کر لیتی ہوں۔" اس کا جواب عمار کو بے اختیار ہنسنے پر مجبور کر گیا۔ وہ اتنی چھوٹی یا دبو ہرگز نہیں تھی، جتنی وہ سمجھتا تھا۔ نرمین نے اسے ہنستے دیکھ کر کھڑکی سے باہر بھاگتے منظر پر نگاہیں جمالی تھیں۔

"مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے یار، میری بیوی کو مجھ سے کوئی اچھی امید نہیں۔ اب تو اپنا یقین قائم رکھنے کی سر توڑ کوشش کروں گا۔" نرمین کے کانوں میں اس کی مسکراتی آواز آئی تھی۔ الفاظ کے برعکس اس کے لہجے سے بالکل بھی شرمندگی نہیں جھلک رہی تھی بلکہ وہ شاید اس کے ٹکڑا توڑ جواب سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ بدستور باہر دیکھتی رہی۔

"اچھا اور کیا کیا بدگمانیاں ہیں تمہیں، ابھی بتا دو۔" وہ اسے دانستہ بولنے پر اکسا رہا تھا نرمین نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ عمار نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی جو یوں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار گھر سے نکلی ہو۔ روزانہ کا سفر جو صبح کی ٹریفک کی وجہ سے اکیلے کٹھن لگتا تھا، آج اس کے ساتھ کی وجہ سے پھولوں بھرے باغ میں چہل قدمی جیسا سرور بخش تھا۔ اس کی ہمراہی میں ٹریفک کا شور اور گاڑیوں کا دھواں، پرندوں کی چہچہاہٹ اور عطر

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark

تیز ہواؤں پر بھاری تھا۔ اسے بولنے پر آمادہ نہ پا کر عمار نے مکمل توجہ روڈ پر کی تھی۔ اسے کالج پہنچا کر آفس بھی پہنچنا تھا۔

☆☆☆

ثمرین پوری توجہ سے کتاب میں منہمک تھی۔ نرمین نے پڑھتے پڑھتے کئی بار اس پر نظر ڈالی مگر اسے غیر متوجہ دیکھ کر مایوس ہو گئی۔ اب اس سے صبر نہیں ہوا تو کتاب بند کرتے اسے پکارا۔

''ثمرین، پتا ہے آج مجھے کالج کس نے چھوڑا؟''

''جس نے بھی چھوڑا، یہ شکر کرو کہ ایڈمٹ کارڈ ملا۔ اب سکون سے پیپرز کی تیاری کرو۔''

ثمرین نے کتاب سے سر اٹھائے بنا بے توجہی سے جواب دیا۔ نرمین نے تپ کر اسے گھورا، پھر کتاب اس کے ہاتھ سے کھینچی۔

''ڈیٹ شیٹ میرے پیپرز کی آئی ہے۔ تمہیں اتنا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے کتاب ایک طرف رکھی۔

''ہمیں فائیو ائیر سے یاد نہیں کرنا ہوتا بہن۔ سب پڑھنا پڑتا ہے۔ دو میری کتاب۔'' ثمرین نے ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھانا چاہی مگر اس پر نرمین کا ہاتھ تھا۔

''پتا ہے، آج انہوں نے، عمار نے مجھے کالج ڈراپ کیا۔'' نرمین نے قدرے جھجک کر، رک کر اور احتیاط سے عمار کا نام لیا تھا۔ بھائی کے بغیر اس کا نام کتنا انوکھا اور اپنا سا لگ رہا تھا۔

''ارے۔ یہ انقلاب کیسے۔ ہم کہہ دیں تو کیسے منہ بناتا ہے۔ اب آرام سے چھوڑ آیا۔'' ثمرین خوش گوار حیرت کے زیر اثر تھی سو قدرے بے یقینی سے پوچھا۔ ایسا نہیں تھا کہ عمار ان کا خیال نہیں رکھتا ہو مگر ابھی پچھلا واقعہ بھولا نہیں تھا۔

''انہوں نے خود ہی آفر کی۔ میں نے تھوڑی کہا تھا۔'' نرمین نے اب مزے سے تکیہ گود میں رکھتے ہوئے بتایا تھا۔

''واہ بھئی، بڑی بات ہے۔ پھر سیدھا کالج ہی چھوڑا نا یا کہیں اور لے گیا۔'' ثمرین نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

''کالج ہی چھوڑا اور مزید سینٹر چھوڑنے کا وعدہ بھی کر لیا۔'' نرمین نے تفصیل بتاتے کہا۔

''اس نے تو ڈائیلاگ ہی جھاڑے ہوں گے مگر تمہارا سینٹر تو واقعی ادھر پڑ گیا۔ اب روز پک اینڈ ڈراپ ملے گا۔ کیا ہے جو وعدہ توڑے گا نبھانا۔''

ثمرین گنگناتے ہوئے دل کھول کر ہنسی تھی۔

نرمین کا امتحانی سینٹر عمار کے آفس سے تھوڑا آگے ایک کالج میں تھا۔ رات کے کھانے میں اس کا سینٹر ڈسکس کرتے امی، ابو اسی لیے پریشان تھے۔ رکشے والے سے بات کی مگر شام میں وہ پہلے سے ریزرو تھا۔ امتحانی سینٹر جانے کا وقت چونکہ انہیں کالج سے واپس لانے والا ہی تھا تو اس وقت وہ آ سکتا تھا۔ بالآخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ دوپہر میں وہ رکشہ میں چلی جائے مگر واپسی میں عمار کے ساتھ آ جایا کرے کیونکہ شام کے وقت دفاتر کی چھٹی کی وجہ سے پبلک کنوینس میں جگہ ملنا محال تھا۔

ثمرین کے لہکنے پر نرمین گلابی چہرے کے ساتھ مسکرائی تھی۔

☆☆☆

موسم میں خاصی تمازت تھی۔ عصر کے بعد کا وقت بھی دھوپ سے روشن تھا۔ پرندے شفاف آسمان پر تیرتے اپنے آشیانوں کی طرف رواں دواں تھے۔ سڑک پر تیز رفتار گاڑیوں اور اپنی دھن میں مگن لوگوں کا ہجوم ماحول میں شور پیدا کر رہا تھا۔ کالج کے باہر پہنچ کر عمار نے ایک طرف گاڑی پارک کرتے حسب معمول اسے کال کی تھی۔ وہ فوراً باہر آئی تھی۔ آخری پیپر کی خوشی کالج سے نکلنے والی سب ہی لڑکیوں کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ چاٹ، بن کباب والوں کے پاس ٹھیک ٹھاک رش تھا۔ دروازے سے نکل کر نرمین نے ایک نظر اسے تلاشا اور پھر سیدھی اس کی طرف آ کر سلام کرتی گاڑی میں

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

بیٹھ گئی تھی۔

عمار نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ایک نظر باہر کھڑے رنگ برنگے کھانوں کے ٹھیلے پر ڈالی اور پھر اسے دیکھا جو شدومد سے کتابیں کھولے جانے کیا ڈھونڈنے میں مگن تھی۔ آفس میں سارا دن سر کھپا کر اس بے ہنگم ٹریفک میں وہ چار اسٹاپ آگے اسے لینے آتا تھا۔ ٹھیک ہے، اس کا فرض تھا، کسی پر احسان نہیں تھا مگر زمین بھی تو کچھ لفٹ کرواتی۔ وہ اپنی دنیا میں مگن اسے ایک نظر دیکھتی بھی نہ تھی۔

''تم کچھ کھاتی نہیں ہو۔'' عمار نے بظاہر سامنے دیکھتے سرسری لہجے میں پوچھا۔

''میں نے اندر کینٹین سے رول لے لیا تھا بلکہ ثمرین کا بھی لیا ہے۔'' اس نے نظریں اٹھائے بغیر مصروف انداز میں تسلی کروائی۔

پڑھائی کے معاملے میں وہ حد درجہ کانشس بلکہ وہمی تھی۔ آتے، جاتے سارا راستہ کتابوں میں ہی مصروف رہتی مگر آج تو آخری پیپر تھا۔ پھر یہ کس مشغلے میں مصروف ہے۔ عمار کو الجھن سی ہوئی۔ اس کی توجہ پانے کی خواہش تھی یا اپنا نظر انداز ہونا کھل رہا تھا کہ وہ خود اسے مخاطب کر رہا تھا۔

''اب کیا دیکھ رہی ہو ان کتابوں میں، امتحان تو ختم ہو گئے۔'' اس نے قدرے اکتا کر پوچھا۔

''ایک سوال بہت گھما کر آیا تھا۔ میں نے خود سے اس کا جواب لکھا، اب چیک کر رہی ہوں صحیح بھی لکھا یا نہیں۔'' وہ بدستور سر کتابوں میں دیے بیٹھی تھی۔ عمار نے سامنے سست روی سے چلتے ٹریفک کو دیکھا اور زور سے ہارن بجا کر غصہ نکالا، پھر بولا تو لہجہ بھی تیز تھا۔

''تو اب دیکھ کر کیا فائدہ ہوگا۔ جو لکھنا تھا لکھ آئی ہو۔ جان چھوڑو اب ان کتابوں کی۔'' زمین نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا تھا۔ عمار کا یہ انداز نیا نہیں تھا بلکہ یہی تو پرانا انداز تھا، جس سے وہ خائف رہا کرتی تھی۔ اس نے کتاب بند کر دی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ تیز لہجے پر ڈر جاتی تھی۔ اندر ہی اندر چاہے جتنا غصہ آتا، ''میری بلا سے'' کا ورد بھی کیا جاتا مگر بہرحال وہ سہم جاتی تھی۔ یہی تاثرات ابھی اس کے چہرے پر دیکھ کر عمار کو خود پر افسوس ہونے لگا۔ وہ جانتا تھا زمین اس سے ڈرتی تھی، اسی لیے رشتہ طے ہونے کے بعد سے اس نے شعوری طور پر اس کے اور اپنے درمیان موجود یہ خلا کم کیا تھا۔ اب وہ سیدھی بیٹھی سامنے دیکھ رہی تھی۔ پلکیں لرز رہی تھیں۔ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھتی چلی جا رہی تھیں بظاہر وہ نارمل تھی مگر عمار جانتا تھا کہ ذرا سا مزید غصہ یا ہمدردی دونوں ہی صورت میں اس کی آنکھوں کے چشمے رواں ہو جائیں گے۔ اس کی آنکھوں کو چشموں کا نام بھی ان لوگوں نے بچپن سے ہی دیا تھا۔ اس کا تعلق آنکھ والی چشم سے نہیں بلکہ پانی کے چشمے سے تھا۔ اسے چھیڑنے کے لیے ریان اکثر ہی کہتا تھا۔

''کراچی میں کہیں پانی نکلے، نہ نکلے، زمین کی آنکھوں کے چشمے کبھی خشک نہیں ہوں گے۔''

اس بات پر بھی زمین کی آنکھیں بھرنے لگتیں اور وہ فوراً شکایت جڑنے چلی جاتی۔

گہری سانس بھرتے عمار نے پورا دھیان سڑک پر رواں ٹریفک پر لگایا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اسے سوال سوجھ گیا۔

''پریکٹیکل کب ہیں تمہارے۔'' اس نے جواب جانتے ہوئے بھی پوچھا۔

''کالج سے معلوم ہوگا۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''پھر بھی۔ اندازاً۔'' عمار کا اصرار جاری رہا۔

''جلدی ہو جائیں گے۔ ہماری میڈم کہہ رہی تھیں دو ماہ میں سب کے ہو جائیں گے۔ میرا تو نام بھی پہلے گروپ میں آتا ہے۔'' اب کی بار زمین نے تفصیلی جواب دیا تھا۔ یقیناً وہ سنبھل گئی تھی مگر نظر اب بھی ہاتھوں پر مرکوز تھی۔

''پھر۔'' عمار نے اس کے چپ ہوتے ہی کہا تو اس نے حیرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

عمار نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ایک مسکراہٹ اچھالی تھی۔ وہ گڑبڑا کر دوبارہ سامنے دیکھنے لگی۔

"پھر..... پھر کیا کرنا ہے۔" عمار نے زور دے کر پوچھا۔

"پھر یہ کہ ابھی آپ ڈرائیونگ دھیان سے کریں، میں بعد میں ڈیسائیڈ کر کے اپنے سارے فیوچر پلان آپ کو بتا دوں گی۔" اس نے چڑ کر کہا۔ عمار ہنس دیا۔ جیسے اسے فوراً غصہ آتا اور فوراً ہی ختم ہو جاتا۔ زمین کا رونا بھی ویسا ہی تھا۔ اب وہ بالکل سیٹ تھی۔

"دیکھو یاد سے بتا دینا، بھول مت جانا۔ تمہارے فیوچر پلانز کا میرے فیوچر سے بہت تعلق ہے۔" اس نے شرارت سے یاد دلایا۔ زمین خاموش ہی رہی۔ اس کا ہلکے پھلکے انداز میں بات کرنا اچھا بھی لگ رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ "ہنہہ، اپنی مرضی ہے، جب چاہیں ڈانٹ لیں، جب چاہیں ہنس لیں۔ میں بھی نہیں کر رہی بات۔" اس نے سوچا تھا۔ عمار اس کے خاموش ہو جانے پر اب گنگناتے ہوئے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"دل نے یہ کہا ہے دل سے
محبت ہو گئی ہے تم سے۔"

وہ اسٹیئرنگ پر انگلیاں بجا رہا تھا۔ زمین کو کسی تیسرے کا نہ ہونا شدت سے محسوس ہو رہا تھا۔ گانے کے بول اسے عمار کے دل کی ترجمانی کرتے لگ رہے تھے۔ وہ خاموش بیٹھی ان بولتے لمحوں کو سنے گئی۔ تھوڑی دیر بعد عمار نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو چلا دیا۔ تیز تیز بولتی لڑکی نے گاڑی میں قائم سحر توڑ دیا تھا۔ زمین ایزی ہو کر بیٹھی تھی۔ بار بار حیا سے رنگ بدلتا اس کا چہرہ اور پھر سکون کی گہری سانس لے کر بیٹھنا عمار نے سب محسوس کیا تھا۔ اس چھوئی موئی سی لڑکی کے ساتھ زندگی مزے میں گزرے گی۔ اس نے مسکراتے لبوں سے سوچا۔

گھر آ گیا تھا۔ گاڑی روکنے سے پہلے اس نے ریڈیو آف کر دیا تھا۔ پھر زمین کو دیکھ کر شوخی سے پوچھنے لگا۔

"تم نے بتایا نہیں، پیپر کیسا ہوا۔"

"آپ نے دیکھنے کب دیا۔ سات نمبر کا سوال تھا۔ غلط ہو گیا تو پورے نمبر گئے میرے۔" خفا خفا سی بولتی وہ ایک دم متفکر ہوئی تھی۔

"سوری یار، تمہیں بھی سات نمبروں کی فکر ہے، ساتھ بیٹھے بندے کا دھیان نہیں۔"

گاڑی روک کر وہ رخ موڑ کر پورے طور سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ عمار جیسے اکھڑ بندے کے منہ سے یوں بے اعتنائی کا شکوہ اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ اسے اہمیت دیتا تھا۔ اس کے لب مسکائے۔ اس نے دروازہ کھولتے الفاظ ترتیب دیے۔

"نمبر تو ابھی حاصل کرنے ہیں۔ آپ کو تو کر لیا۔" وہ کہہ کر فوراً گاڑی سے اتری تھی۔ چہرے پر بکھری قوس قزح اس کے وجود کو منور کر رہی تھی۔ عمار کو بے اختیار ہنسی بھی آئی تھی اور اچھا بھی لگا تھا مگر زمین اس کا جواب سننے کو رکی نہیں تھی۔

"کیا یقین ہے خود پر محترمہ کا۔ عمار صاحب آپ تو کام سے گئے۔" وہ خود سے کہتا وہیں بیٹھا اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

دروازے سے اندر جاتے اپنی خوشی میں مگن زمین اور اس پر مسکراتی، پیار لٹاتی نظر جمائے عمار دونوں ہی کسی کی نظروں کی چبھن سے بے نیاز تھے۔ وہ نظر جوان کی خوشیاں کھانے والی تھی۔ ان کی ہنستی کھیلتی ہموار زندگی کو پریشانی کے بھنور میں پھینکنے جا رہی تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم، کیسے ہیں جناب۔" فجر کی نماز کے بعد نعیم صاحب چہل قدمی کے انداز میں آہستہ روی سے گھر جا رہے تھے جب ان کے پڑوسی سلطان صاحب بہت گرم جوش انداز میں ان سے ملے تھے۔

"وعلیکم السلام۔ اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں۔ نظر ہی نہیں آتے۔" نعیم صاحب نے

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

مصافحہ کرتے جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

"بس آج کل نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ پا رہا۔ اس کے علاوہ آپ گھر سے نکلتے نہیں کہ ملاقات ہو۔" سلطان صاحب بھی ان کے ساتھ چلنے لگے۔ ان کا انداز بتاتا تھا کہ وہ تفصیلی گفتگو کے موڈ میں ہیں۔

"بس روزگار کے مسائل ہی دامن نہیں چھوڑتے۔ کوشش کرتا ہوں فجر اور عشاء تو ضرور اپنے علاقے کی مسجد میں پڑھوں۔ سب محلے داروں کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ سنائیں بال بچے سب ٹھیک ٹھاک، اکبر سیٹ ہو گیا۔" نعیم صاحب نے رواداری سے بات کرتے ان کے ملک سے باہر جانے والے بیٹے کی خیریت دریافت کی۔

"سب خیر ہے۔ رکشا مل گیا تھا نا نرمین بیٹی کے کالج جانے کے لیے آپ کو۔" سلطان صاحب نے پرانی بات یاد دلائی۔ نرمین کے لیے کالج وین اور رکشے کی بابت انہوں نے اپنے مسجد کے ساتھیوں سے ہی دریافت کیا تھا۔ اب اتنے عرصے بعد اس ذکر پر قدرے اچنبھا تو ہوا مگر عام سے لہجے میں بولے۔

"جی۔ اب تو نرمین کا کالج ختم ہو جائے گا۔ یونیورسٹی کے لیے اتنا مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"رخصتی نہیں کر رہے ابھی آپ۔ ماشاء اللہ بچیوں کے فرائض سے فارغ ہو گئے۔ گھر میں ہی رشتے مل گئے۔" سلطان صاحب نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"بس اللہ کی مہربانی ہے، رخصتی بھی اپنے وقت پر ہو جائے گی۔" نعیم صاحب نے سرسری جواب دے کر بات ختم کرنا چاہی مگر سلطان صاحب کا ابھی بات ختم کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔

"برا نہ منائیے گا مگر آپ کو یوں نکاح کر کے ٹالنا نہیں چاہیے۔ گھر کی بات ہے رخصتی کریں۔"

انہوں نے اپنی پٹاری سے اصل بات نکالی جس کے لیے صبح صبح گھر سے نکلنے کی زحمت کی تھی، نعیم صاحب چلتے چلتے ایک دم رک گئے تھے۔ ماتھے پر بل پڑ گئے اور لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔"

"نرمین بیٹی کو دیکھا تھا ایک دن، رکشے والے کو منع کر کے عمار کے ساتھ کالج جا رہی تھی۔ پھر شام میں بھی کالج یونیفارم میں عمار کے ساتھ آ رہی تھی۔ یوں رخصتی سے پہلے گھومنا مناسب نہیں لگتا۔" انہوں نے میٹھے انداز میں تلخ بات کہی تھی۔ گویا اپنے اندر کا حسد نکالا تھا۔ نعیم صاحب کا دماغ کھولنے لگا۔

"گو میری بچیوں کا کہیں آنا جانا آپ کا مسئلہ نہیں ہے مگر جان لیں کہ نرمین کے امتحان دوپہر کی شفٹ میں ہو رہے ہیں تو میں نے ہی عمار سے امتحانی سینٹر لانے لے جانے کا کہا ہے۔ گھر کے بچے ہی یہ کام کرتے ہیں۔ آپ کے گھر میں بھی اب اکبر نہیں ہے تو اصغر ہی بھابھی کو لے کر جاتا ہے نا۔" بہت کوشش کے باوجود ان کا لہجہ سخت ہو گیا تھا، بات کے اختتام پر غصہ ان کے چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔ وہ کچھ زیادہ کہہ کر بات بڑھانا نہیں چاہتے، اس لیے بات ختم کرتے ہی تیز قدموں سے آگے بڑھنا چاہا مگر سلطان صاحب کو اپنے گھر کی بات بہت زور سے لگ گئی۔ انہیں امید نہیں تھی کہ نعیم صاحب یوں جوابی حملہ کر دیں گے۔

دوسروں پر طنز کے نشتر چلانا آسان ہوتا ہے مگر جب یہی نشتر خود کو زخمی کر دے تو انسان بلبلا اٹھتا ہے۔ سلطان صاحب اب بنا لحاظ کے بولے تھے۔

"دیور بھابھی یا کزن کے ساتھ جانے میں کیا مضائقہ ہے بھلا۔ احترام کا رشتہ ہوتا ہے مگر نکاح کے بعد تو عمار میاں پورا حق سمجھتے ہوں گے اپنا۔ یوں ساتھ گھومتے پھرتے وہ حق جتا بھی لیں گے اور آپ پڑھائیاں کرواتے رہ جائیں گے۔" تیزی سے آگے بڑھتے بھی نعیم صاحب نے ان کی بات واضح طور پر سنی اور سمجھی تھی۔ ان کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو رہا تھا۔ سلطان صاحب کے الفاظ دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

ایسے بھی لوگ ہر جگہ ہی موجود ہوتے ہیں جو دوسروں کو بلاوجہ ٹوکنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ زبردستی کی مداخلت کسی کی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس سوچ سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ شیطان قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کا لگایا ہوا بیج اب سر نکال چکا تھا۔

☆☆☆

نعیم صاحب ہزار کوشش کے باوجود وہ سب ذہن سے جھٹکنے میں ناکام تھے۔ غصہ تھا کہ بار بار عود کر آتا تھا۔ کس طرح انہوں نے خود کو چلانے یا ہاتھ اٹھانے سے باز رکھا تھا، وہی جانتے تھے۔ اپنی بیٹیوں سے انہیں محبت ہی نہیں بلکہ ان پر پورا بھروسا بھی تھا۔ ریان یا عمار کے ساتھ وہ کہیں بھی ان کی اجازت کے بنا یا غیر ضروری طور پر نہیں آتی جاتی تھیں۔ وہ دونوں بھی ان کے سامنے کے پلے بیٹوں جیسے لڑکے تھے۔ گھر سے باہر نکلنے پر تو کبھی رکشا، ٹیکسی میں اکیلے انجان ڈرائیور کے ساتھ بھی سفر کرنا پڑ جاتا تھا۔ تو وہ تو پھر اپنے اور قابل اعتماد تھے۔ ہزار سر جھٹکنے پر بھی انہیں "کالج یونیفارم میں شام ڈھلے نرمین" کے الفاظ سنائی دیتے۔ "وہ حق جتا لیں گے، آپ پڑھائیاں کرواتے رہ جائیں۔" الفاظ ان کے سامنے ناچتے ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ انہوں نے آج خود کو سکون دینے کے لیے چھٹی کا فیصلہ کر لیا تھا مگر نیند چاہ کر بھی نہیں آ رہی تھی۔ ثمرین یونیورسٹی جا چکی تھی۔ بیگم کام والی کے ساتھ مصروف تھیں اور وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں آواز بند کیے ٹی وی کے چینل بدلنے میں مصروف تھے۔ جب ہی نرمین ابھی سی موبائل ہاتھ میں لیے اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ ان کا گھریلو حلیہ دیکھ کر حیرت اس کی آنکھوں میں چمکی۔

"السلام علیکم ابو جی، آپ گئے نہیں آج۔" وہ ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام، پیپر تو ختم ہو گئے، اب میری بیٹی کیوں پریشان پھر رہی ہے۔" وہ ٹی وی بند کرتے دانستہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ پوری کوشش تھی کہ ان کے مزاج کا تناؤ اس پر آشکار نہ ہو۔

"پیپر تو ہو گئے، پریکٹیکل کی ڈیٹ معلوم کرنی ہے۔ کالج فون کر رہی تھی۔ اٹھا ہی نہیں رہے۔ لگتا ہے جا کر معلوم کرنا پڑے گا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح موقع ملتے ہی اپنا رونا رو دیا۔

"تو چلو، پھر تیار ہو کر آ جاؤ۔ میں لے چلتا ہوں۔ آج میں گھر میں ہی ہوں۔" انہوں نے لمحے کے چوتھائی حصے میں فیصلہ کیا تھا۔ نرمین نے اس شاندار آفر سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہیں کی۔ کلاسز تو ہونی نہیں تھیں بس آنا جانا ہی کرنا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر گئے اور ساتھ ہی واپس لے کر آئے تھے۔ نرمین کے پریکٹیکل آگے پیچھے جلد ہی ہونے تھے۔ وہ عادتاً ٹینشن کا شکار ہوتی واپس آتے ہی اپنے کمرے میں کتابیں کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

شمسہ بیگم سبزی کی ٹوکری لیے لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ ان کے یوں غیر متوقع طور پر گھر میں موجودگی پر متعجب بھی تھیں۔ چائے کے ساتھ سر درد کی گولی لینے پر اصرار کرتی وہ ان کی خیریت دریافت کر رہی تھیں، جب نعیم صاحب نے انہیں مختصراً سلطان صاحب کی گفتگو سنا کر سختی سے منع کر دیا کہ آئندہ نرمین عمار کے ساتھ کہیں نہیں جائے گی۔ وہ حیران و پریشان سی انہیں دیکھتی خاموش رہ گئیں۔

☆☆☆

ابو کا پیغام امی نے پہنچا دیا تھا۔ جو نرمین نے تو خاموشی سے سن لیا مگر ثمرین نے ان کے پیچھے لگ کر اصل وجہ جان کر ہی دم لیا۔ اچنبھا تو نرمین کو بھی ہوا تھا مگر دھیان یوں نہیں دیا کہ ویسے کون سا میں ساتھ گھومتی ہوں۔ پیپرز کا مسئلہ تھا ہو گئے، بات ختم۔ مسئلہ تب ہوا جب پریکٹیکل والے دن گھر سے نکلتے ہی سامنے عمار نظر آیا۔

"لفٹ چاہیے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"نہیں، وہ مجھے تو ابو چھوڑنے جا رہے ہیں۔"
نرمین بوکھلا کر کہتی واپس گھر کے اندر چلی گئی تھی۔ وجہ اسے معلوم نہیں تھی مگر ابو کا حکم بخوبی یاد تھا۔ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ نکلی تھی۔ عمار جا چکا تھا۔ وہ سر جھکائے غور و فکر میں مصروف بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہوئی۔

"آرام سے گاڑی میں جانے کا بھی اپنا ہی مزا تھا۔ کم از کم بندہ راستے میں دائیں بائیں ایک نظر دیکھ لیتا ہے۔ رکشے والے انکل نے بھی فوراً ہی سواری پکڑ لی، اب سارے پریکٹیکل میں خود ہی خوار ہونا پڑے گا۔ بس یہ پریکٹیکو ہو جاتے تو اس کالج کے آنے جانے سے جان چھوٹ جائے گی۔"

اپنی ہی بے ربط سوچوں میں مگن وہ اسٹاپ پر کھڑی تھی، جب موبائل گھر رہ جانے پر واپس گاڑی موڑتے عمار کی نظر اس پر پڑی تھی۔ عمار نے تعجب سے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا تھا، وہ وہی تھی۔

"نرمین نے اس سے غلط بیانی کیوں کی؟"
سوال ذہن میں سرسرایا تھا۔ اس نے گاڑی روکی نہیں تھی مگر پاس سے گزرتے ہوئے ہارن بجا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ نرمین نے دور جاتی گاڑی کو دیکھا۔

"یہ واپس کیا کرنے آ گئے۔" پریکٹیکل وائیوا بھول کر اس کا ذہن نئی سوچوں میں الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

"خفا ہو۔" عمار نے کال ریسیو ہوتے ہی پوچھا تھا۔ نرمین کا جھوٹ اس کے دماغ میں اٹکا تھا۔ اسے برا لگا تھا۔ یہ ان کے مابین قائم ہونے والا نیا نویلا اور خوب صورت سا رشتہ ہی تھا جو وہ اسے اتنی اہمیت دے رہا تھا اور اس وقت اور توجہ کا یہ جواب بالکل مناسب نہیں تھا۔ اس نے نظر انداز کرنا چاہا مگر ذہن سے بات جھٹکتے بھی اسے یہی لگا کہ شاید وہ کسی بات پر ناراض ہے، اس لیے اس کے ساتھ نہیں گئی تو بات کر لینا مناسب سمجھا۔ نرمین کو امید تو تھی کہ کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں جواب دینا ہو گا لیکن وہ اسے یوں فون کر لے گا، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس نے آج تک بلا ضرورت رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ پھپھو کی طرف جانے سے گریز کرتی تو عمار بھی ان کے گھر کے چکر نہیں کاٹتا تھا اگر کالج یا امتحانی سینٹر ڈراپ کرنے کے لیے اس کی مدد نہ لینی پڑتی تو نرمین آرام سے ٹیکسی یا مشرقی لڑکیوں والا پردہ کر لیتی۔ ایک گہری سانس کھینچتے اس نے مختصر جواب دیا۔

"نہیں تو۔"

"پھر آج بس پر کیوں گئیں۔ میرے ساتھ چلی جاتیں۔" اس نے وہی سوال کیا، جس کا ڈر تھا۔

"ابو نے منع کیا ہے آپ کے ساتھ جانے سے۔"

"کیا؟" عمار کی آواز بے ساختہ بلند ہوئی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"جی۔" اس نے ہلکی آواز میں اعتراف جرم کی طرح اقرار کیا تھا مگر اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"کم آن یار، ماموں کیوں منع کریں گے، انہوں نے کچھ اور کہا ہو گا۔ تم بھی سدا کی بیوقوف ہو۔ چلو، اب کسی دن ماموں سے پوچھ کر تمہیں ڈنر پر لے جاتا ہوں۔" اس کا انداز بدستور خوش گوار تھا۔

اسے نرمین کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ سب جانتے تھے کہ پیپرز کے دوران وہ ہی نرمین کو کالج سے لاتا رہا تھا بلکہ ماموں نے ہی یہ ذمہ داری اسے سونپی تھی۔ چند دن پہلے کی بات تھی تو اب وہ کیوں منع کرتے۔ اپنے لیے بیوقوف سن کر نرمین نے منہ بنا کر سوچا۔

"خود بہت عقل مند ہیں۔ ابو سے عزت کروا کر ہی چین آئے گا۔" مگر بولی تو صرف اتنا کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ اب میں فون بند کرتی ہوں۔ پڑھ رہی تھی۔" اس نے بے مروتی کی انتہا کرتے بات ختم کی۔ عمار نے برا مانے بغیر ہنستے ہوئے خدا حافظ کہا تھا۔

"تم پڑھ لو اپنا، ہماری خیر ہے۔ اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی۔ امی نے بھی کس چکر میں ڈال دیا۔" وہ دل موہ لینے والی مسکراہٹ چہرے پر سجائے

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

فون کو دیکھتا خوش گوار سوچوں میں مگن تھا۔ وہ امی کی پسند تھی مگر اب دل کے بہت قریب لگتی تھی۔ اس نے منگنی کے بجائے نکاح اس لیے کیا تھا تاکہ اس خوب صورت پیریڈ کو انجوائے کر سکے۔ آفس میں یونیورسٹی میں اکثر یہی سنا تھا کہ شادی سے پہلے کا یہ وقت یادگار ہوتا ہے مگر عمار بھول گیا تھا کہ ہر بات، ہر جگہ درست نہیں ہوتی۔ ہمارے معاشرے میں ہر طبقے کی اپنی مخصوص اقدار ہیں، جنہیں درست جان کر سینے سے لگایا جاتا ہے۔ فون کال ختم ہو گئی تھی مگر بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ بات تو اب شروع ہوئی تھی۔

عمار نے اپنی اگلے ماہ ہونے والی سالگرہ پر زمین کو ڈنر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس پر سلطان صاحب کے زہر میں بجھے الفاظ جنہوں نے نعیم صاحب کے ذہن کو اذیت دے کر نیلو نیل کر دیا تھا۔ زمین کو شام ڈھلے عمار کے ساتھ کالج یونیفارم میں دیکھ کر حقیقت جانے بنا جو کچھ انہوں نے سوچا اور جو ہرزہ سرائی کی وہ ناقابل برداشت تھی۔ اب کچھ بھی ہو جاتا، نعیم صاحب رخصتی سے پہلے عمار کو ایسا ڈنر پلان کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆

تمام پریکٹیکل بخیر و خوبی ہو گئے تھے۔ زمین فرصت سے چھٹیوں کے مزے اٹھا رہی تھی۔ انٹر ہو گیا تھا، اب لمبی چھٹیاں تھیں۔ آگے کیا کرنا ہے، یہ سوچنے کے لیے بہت وقت تھا۔ پھپھو کے اکیلے پن کے خیال سے ثمرین ضرور ان کے گھر کا چکر لگا لیتی ورنہ وہ خود بھی کبھی کبھی آ جاتیں۔ ان ہی پرسکون دنوں میں عمار نے زمین کو ساتھ لے جا کر ڈنر کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اکلوتے بیٹے کی محبت تھی، روشن خیالی یا ان کے مابین رشتے کا احساس رئیسہ بیگم خوش گوار موڈ میں یہ فرمائش بھائی تک لے کر گئی تھیں مگر بھائی کا قطعی جواب اور ان کے اصرار پر بھابھی کا بیان کردہ قصہ انہیں خاموش کروا گیا۔ کچھ کہنا چاہا تو نعیم صاحب نے سختی سے دوٹوک انکار کر دیا۔

''ابھی وہ میرے گھر ہے اور میں رخصتی سے پہلے ان چونچلوں کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔'' ان کا انداز حد درجہ تلخ تھا۔ بڑی بہن کی وہ بے پناہ عزت کرتے تھے مگر انہیں اصرار سے روکنے کے لیے فوری طور پر یہی سوجھا کہ قطعی جواب دے دیا جائے۔ رئیسہ بیگم نے سبھاؤ سے عمار کو منع کرنا چاہا مگر وہ انکار سن کر مشتعل ہو گیا۔ ایک دم زمین کی بات یاد آئی۔ تو ماموں نے اسے واقعی منع کیا تھا۔

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی امی۔ جب خود ضرورت تھی تو ماموں کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ اب میں نے کہا تو یہ پابندیاں لگ گئیں۔'' وہ بگڑے موڈ میں اونچی آواز میں بولا تھا۔ رئیسہ بیگم نے اس کے بلند لہجے سے مزاج کی خرابی جانچی۔ بیٹے اور بھائی کے آمنے سامنے آنے کا خیال حد درجہ پریشان کن تھا۔ صورتحال سنبھالنے کو وہ پیار سے بولیں۔

''انہیں تو اب بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر فضول میں محلے والے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ پھر دل دکھتا ہے۔ بیٹی کا باپ تو احتیاط ہی کرتا ہے۔'' عمار کو ان کی بات بالکل اچھی نہیں لگی۔

''کون سے محلے والے، کیا لگتے ہیں یہ ہمارے۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ شرعی طور پر تو ہمیں ماموں بھی منع نہیں کر سکتے تو ان محلے داروں، رشتے داروں کی کون سنتا ہے۔'' وہ اسی طرح آف موڈ میں بول رہا تھا۔

جوان خون معاشرتی مصلحتوں کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتا ہے مگر وہ زندگی گزار چکی تھیں۔ دنیا دیکھی تھی۔ تب ہی بھائی کا رد عمل سمجھ رہی تھیں۔ اسے دھیرج سے سمجھانا چاہا۔

''تم نہیں سنو گے تو لوگ بولنا بند نہیں کریں گے۔ بلاوجہ ذرا سے شوق کی خاطر چہ میگوئیاں سننا اچھا نہیں لگتا۔ اگر تمہیں زیادہ ہی شوق ہے تو تم ہم سب کو لے جاؤ۔'' انہوں نے حل نکالنا چاہا مگر عمار کے لیے یہ اب انا کا مسئلہ تھا۔

''ایک بار تو اب اسے ضرور لے کر جانا ہے۔ میں اپنی زندگی کسی اور کی مرضی سے نہیں گزار سکتا۔''

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

وہ سختی سے کہتا دروازے کو ٹھوکر مار کر نکلا۔ برابر سے ریان اپنی امی کے ساتھ نکل رہا تھا۔ ماموں بھی انہیں سی آف کرنے کو موجود تھے۔ وہ کسی سے نظر ملائے بنا سیدھا آگے نکلتا چلا گیا۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت کسی سے ملنے کے قابل نہ تھی۔ اسے رہ رہ کر غصہ آنے لگا۔ ریان، گھر بھی آتا جاتا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی ملاقات ہو جاتی تھی۔ اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس نے کبھی نرمین کو بلاوجہ فون کیا، نہ ملنے کی کوشش کی۔ اب شوق سے ایک سرپرائز ترتیب بھی دیا تو بلاوجہ کا ظالم سماج درمیان میں آن کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر چہل قدمی کر کے وہ واپس گھر آیا تھا تو ثمرین بھی موجود تھی۔ اسے پھپھو نے عمار کے غصے کی تفصیل سنا دی تھی۔ اب وہ تو نماز کی نیت باندھ چکی تھیں۔ ثمرین عمار کو دیکھ کر بات کرنے کے خیال سے ٹھہر گئی عمار ویسے ہی بگڑے موڈ میں لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا عمار، اتنا ناراض کیوں ہو۔" وہ اس کے سامنے آ بیٹھی۔

"تمہیں سب کچھ اچھی طرح پتا ہے، زیادہ انجان مت بنو۔" عمار نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔

"مجھے واقعی سب پتا ہے مگر تمہیں نہیں پتا۔ کیوں بچوں والی ضد کر رہے ہو۔ تمہیں تو ایسے شوق نہیں تھے کبھی۔"

"بچوں والی ضد ہے یہ؟ اتنے دن تک اسے کالج سے لاتا رہا ہوں۔ کبھی راستے میں رکنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہیں پتا ہے کہ میں سالگرہ نہیں مناتا۔ میں نے محض یہ سوچ کر اس کے ساتھ باہر جانا چاہا کہ ہمارے رشتے پر اچھا اثر پڑے گا مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اتنا ناقابل اعتبار ہوں۔ اگر ایسا ہی برا ہوں میں تو یہ رشتہ ہی کیوں قائم کیا۔" وہ کھولتا ہوا بول رہا تھا۔ اس کے لہجے کا تنفر محسوس کر کے ثمرین کا دل سہما تھا۔ ابو اور عمار کی جذباتیت چھوٹی سی بات کو تازہ بنا رہی تھی۔

"اوکے، تمہیں سالگرہ منانی ہے نا، تم چھوڑو سب کو۔ میں، نرمین کے ساتھ شاپنگ کرنے نکل لوں گی۔ مال میں مل لیں گے۔" اس نے صلح صفائی کے لیے تھوڑی بے ایمانی جائز سمجھی۔

"ثمرین تم۔" عمار نے آگ بگولا ہو کر اسے گھورا تھا۔

"ہیرے نہیں جڑے تمہاری بہن میں، نہ مر رہا ہوں اسے دیکھنے کے لیے۔ اب یہ میری بھی ضد ہے۔ سب کے سامنے لے کر جاؤں گا اسے۔"

اس نے چڑ کر اٹل انداز میں کہا تھا۔ وہ ناکام اٹھ آئی۔ موقع ملتے ہی امی کو تفصیل بتائی۔ وہ بھی حد درجہ پریشان ہو گئی تھیں۔ نعیم صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ چراغ پا ہو گئے۔

"بھاڑ میں گئے محلے والے۔ مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ میری بیٹی ہے، نہیں بھیجنا اس کے ساتھ۔ نکاح کیا ہے، مالک نہیں بنا دیا اسے۔" انہیں خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔ شمسہ بیگم خاموش رہ گئیں۔ کیا کہتیں کہ نکاح کے بعد رہ کیا گیا ہے۔ عمار بدستور اپنے مطالبے پر قائم تھا۔ ماموں کا احترام تھا جواب تک براہ راست کچھ نہیں کہا مگر اس کھینچا تانی سے سب ہی پریشان تھے۔ دونوں مردوں کی لڑائی میں تمام خواتین حد درجہ تناؤ کا شکار تھیں۔ صورت حال ایسی تھی کہ فوری طور پر رخصتی کی بات کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ ثمرین کے اصرار پر نرمین نے ڈرتے ڈرتے اسے فون کیا تھا۔ پیار سے وہ کیا سمجھاتی، آواز حلق میں اٹک گئی تھی۔ بمشکل کچھ بولنا چاہا مگر سامنے والا سننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ نرم لہجے میں خوش گوار باتیں کرنے والا عمار کہیں نہیں تھا۔ اس نے اپنے قطعی انداز میں کہا تھا۔

"جب تم اپنے ابو کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتیں تو مجھے سمجھانے کی کوشش بھی مت کرو۔" نرمین نے آنکھیں رگڑتے خاموشی سے فون رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

ثمرین آج پھر پھپھو کی طرف گئی تھی۔ آج تو اسے امی نے بطور خاص بھیجا تھا۔ وہ دونوں گھرانوں کے درمیان ہمیشہ سے رابطے کا پل تھی۔ وہ بھی نہیں جاتی تو ان کشیدہ حالات میں تلخی بڑھتی۔ عمار اسے دیکھ کر سرسری انداز میں سلام کا جواب دیتے گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ کتنی دیر پھپھو کے پاس خاموش بیٹھی رہی۔ وہ سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

"یہ سب کب تک چلے گا۔" ثمرین نے روہانسے لہجے میں پوچھا۔

"میں کیا بتاؤں تمہیں، میرا تو اپنا سر پھٹ رہا ہے۔" ان کے بے بس لہجے پر ثمرین نے بغور ان کی پیلی پڑتی رنگت اور ماتھے پر نمودار ہوتے پسینے کے قطرے دیکھے۔

"آپ کی طبیعت خراب لگ رہی ہے۔ میں بلڈ پریشر چیک کرتی ہوں بلکہ ابو یا عمار کو فون کرتی ہوں۔ وہ آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔" وہ ایک دم گھبرا گئی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اپنے باپ یا عمار کو بلانے کی۔ رہنے دو انہیں اپنی انا کے حصار میں، ریان کو فون ملاؤ۔" انہوں نے سخت کبیدہ خاطر ہو کر کہا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد کسی کو بتائے بنا ریان کے ساتھ وہ دونوں ایک کلینک میں موجود تھیں۔ ڈاکٹر ریان کا دوست تھا۔ اس نے پھپھو کو فوراً ایڈمٹ کیا تھا۔ ان کی طبیعت خرابی کی اطلاع پر نعیم صاحب اور عمار دونوں ہی بھاگے آئے تھے۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" پہلا بے ساختہ سوال ثمرین سے یہی ہوا تھا۔ ریان دانستہ ان کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا، وہ ڈاکٹر کے روم میں چلا گیا تاکہ وہ تسلی سے ان کے سوالات کے جواب دے دے۔

"پھپھو نے منع کیا تھا۔" اس نے نظریں جھکا کر مجرمانہ انداز میں اعتراف کیا۔

"انہیں آپ دونوں پر بہت غصہ تھا۔" اس کی بات پر ماموں، بھانجے کی نظر ملی تھی۔ دونوں کی نظر میں دوسرے کے لیے الزام تھا۔

تب ہی ریان ڈاکٹر کے ساتھ آ گیا۔ ڈاکٹر نے پھپھو کو انجکشن لگا کر سلا دیا تھا۔ اب وہ ان سب کو تفصیل بتا رہا تھا۔

"ان کا بلڈ پریشر بہت بڑھا ہوا تھا۔ شاید کوئی پریشانی ہے کیونکہ مجھے نروس بریک ڈاؤن کا خطرہ لگ رہا تھا۔ ابھی تو میں نے انہیں انجکشن لگا کر پرسکون کر دیا ہے مگر آپ کوشش کریں کہ مسئلہ دریافت کر کے حل ہو۔ مستقل سوچنا ان کی صحت کے لیے بہتر نہیں۔"

ڈاکٹر چلا گیا تھا۔ عمار نظر جھکائے جوتے کی نوک فرش پر رگڑ رہا تھا۔ نعیم صاحب کف کے بٹن کے ساتھ الجھ گئے تھے۔ ان دونوں نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اب ثمرین اور ریان کی الزام دیتی نظریں ان دونوں پر تھیں۔

"میرا خیال ہے، آپ سب جائیں۔ میں یہاں رات رک جاتی ہوں۔ پھر کل دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" ثمرین نے گہرا سانس کھینچ کر سب کو مخاطب کیا۔

"تم کیسے رہو گی۔ میں خود رک رہا ہوں نا، کوئی ایمرجنسی ہوئی تو میرا ہونا ضروری ہے۔" عمار نے اسے دیکھ کر سوالیہ انداز اپنایا۔

"مگر پھپھو کی حالت ایسی ہے کہ فیمیل اٹینڈنٹ بھی ضروری ہے۔ مجھے ان کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ تمہیں رکنا ہے تو یہاں باہر ٹھہر جانا۔ پھپھو کو نرسوں کے آسرے پر چھوڑنے کو میرا دل نہیں مان رہا۔ میں رک جاؤں نا ابو۔" وہ عمار کو سمجھاتی ابو سے مخاطب ہوئی۔

"ہم..... ٹھیک ہے۔ تم دونوں رک جاؤ ابھی۔ پھر صبح دیکھتے ہیں۔" وہ سوچوں سے نکل کر بولے تھے۔

"میں بھی پھر چلتا ہوں اب۔ امی کو بتائے بغیر آ گیا تھا۔ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" ریان نے

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

رخصت چاہی۔ نعیم صاحب بھی اس کا شکریہ کرتے ساتھ ہی نکلے تھے۔

"امی کی طبیعت اتنی زیادہ خراب کیسے ہوگئی۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں ہوا۔" عمار اب فکر بھری الجھن سے بول رہا تھا۔

"تم اپنی ضد اور انا کے حصار سے نکلو تو کچھ پتا چلے۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" ثمرین سارا ملبہ اس پر گراتے مڑ کر کمرے میں پھپھو کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ پریشانی ملتا وہیں ایک طرف پڑے بنچ پر گر گیا۔ رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

صبح ہوتے ہی ماموں، مامی ناشتے کے بہانے چلے آئے تھے۔ تازہ پھلوں کا جوس خاص رئیسہ بیگم کے لیے تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انہیں ہلکا پھلکا ناشتا کرواتے وہ سب ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔

"آپا آپ نے بتایا ہی نہیں، جانے کتنے دنوں سے طبیعت خراب تھی۔ سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی ہیں تو ہماری طرف آ جایا کریں۔" شمسہ بیگم محبت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"بس یہ تنہائی ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ میری امانت مجھے دے دو نعیم۔ زمین کی رخصتی کر دو۔" انہوں نے ان کی لگاوٹ کے جواب میں اچانک انتہائی غیر متوقع بات بہت سنجیدگی سے کی تھی۔ عمار نے چونک کر سر اٹھایا تھا، بے اختیار نظر ماموں کی طرف اٹھی تھی۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ عمار کے تاثرات سے یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ فرمائش اس کی نہیں تھی۔ وہ اب بہن کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آپ کی ہی بیٹی ہے۔ گھر تو چلیں۔ آپ کی طبیعت بہتر ہو تو آرام سے بات کریں گے۔"

"نہیں، بس تم سادگی سے رخصتی کرو۔ نکاح پر بلا لیا سارا خاندان۔ اب نہیں مجھے کوئی جمع لگانا۔ ابھی دیکھو سب یہاں جمع ہیں۔ وہ گھر میں اکیلی پریشان ہو رہی ہوگی۔ کل مجھے کلینک سے چھٹی ہو جائے گی تب میں اکیلی پڑی رہوں گی۔ میں وہ تمہارے گھر جاؤں یا تم لوگ یہاں وہاں بھاگتے۔ اس سے بہتر ہے میں اپنی بہو گھر لے آؤں۔"

عمار خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ماں کی صحت اور اب اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ کچھ کہہ سکتا۔ نعیم صاحب ان کی حالت کے پیش نظر کچھ سخت کہنے سے گریز کرتے آرام سے ان کی تسلی کروا رہے تھے۔

"اللہ آپ کو صحت دے آپا، آپ تو بلا وجہ پریشان ہو گئیں۔ خود تو کہا تھا کہ ابھی عمار بھی سال بعد انگیجمنٹ ہو کر شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"عمار کے پاس جاب ہے، گھر ہے، ترقی تو ساری زندگی ہوتی رہے گی۔ میں ماں ہوں اس کی، وہ مجھے منع نہیں کرے گا۔ تم بہانے بند کرو۔" انہوں نے بھائی کو رسان سے جواب دیتے بیٹے کے کسی ممکنہ احتجاج کو بھی زمین بوس کر دیا۔ ماں کا مان بھرا لہجہ اسے اثبات میں سر ہلانے پر مجبور کر گیا۔ شمسہ بیگم بھی دونوں ماموں بھانجے کے مزاج سے انجانے دھوکوں کا شکار ہو گئی تھیں۔ آپا کا قدم انہیں اس وقت راحت محسوس ہوا اور وہ بھی ان کی ہم نوا ہو گئیں۔ لمحوں میں ماحول بدلا تھا۔ اب وہاں رخصتی کی ممکنہ تاریخ ڈسکس ہو رہی تھی۔

"ابھی آپ لوگ سمجھیں میں اگر تو میں عمار کے ساتھ گھر چلی جاؤں۔ دو چار دن دوبارہ آ جاؤں گی۔" خود کو یہاں اضافی سمجھتے ثمرین نے سب سے اجازت چاہی۔

"ہاں چلی جاؤ، میں یہیں ہوں ابھی۔" امی نے تو ہاتھ ہلا کر اجازت دی تھی۔ ثمرین ابھی بھی ان کو دیکھتے رکی ہوئی تھی۔ عمار بھی ماموں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک دم کمرے کے ماحول میں سناٹا چھایا تھا۔ سب کی نظریں خود پر جمی پا کر وہ لمحہ بھر کو ساکت ہوئے، پھر اثبات میں سر ہلایا۔ وقت ضرورت ثمرین کا عمار کے ساتھ سفر کرنا نئی بات نہیں تھی مگر جس طرح زمین کے جانے، نہ جانے پر ایشو اٹھا تو ثمرین نے باپ

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

سے اجازت لینا ضروری سمجھا۔ عمار اپنی امی کو پیار کر کے ان کے ٹھوکا مارنے پر ماموں سے ملا تھا۔ وہ دونوں باہر اللہ حافظ کرتے باہر نکلے تو وہ تند، بھاوج دوبارہ اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

رخصتی سادگی سے بھی ہوتی، تب بھی کرنے کو ہزار کام تھے مگر نعیم صاحب اس سب سے لاتعلق اپنی سوچ کے سمندر میں ڈوبے تھے۔ کسی غیر کی کہی بات اتنی اہم کیسے ہو گئی کہ بیٹوں جیسا عزیز بھانجا بھی بھول گیا۔ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو پیار سے ہی نہیں پالا تھا بلکہ اچھے برے کی تمیز بھی سکھائی۔ اپنی بیٹیوں پر انہیں پورا یقین تھا کہ وہ کبھی ان کا مان نہیں توڑیں گی۔ زمین چاہے اپنے لیے آپار کشا چھوڑ عمار کے ساتھ جاتی یا شام ڈھلے آتی۔ انہیں اعتبار تھا ان کی بیٹی کبھی ان کا سر نہیں جھکا سکتی تھی، پھر وہ کیوں انا پرست ہو گئے تھے۔ ان کے فیصلے لوگوں کی زبانوں کے تابع کیسے ہو گئے تھے۔ وہ کالی بلی کو دیکھ کر راستہ بدلنے والوں پر ہنستے تھے اور خود لوگوں سے ڈر کر بیٹیوں پر پابندی لگاتے رہے۔ اس وقت اگر کوئی عمار اور ثمرین کے ساتھ جانے پر انگلی اٹھاتا تو کیا وہ کسی کی زبان کے خوف سے ثمرین کو اکیلا بھیجتے یا خود چھوڑنے جاتے۔ جو بات کوئی انہیں سمجھا نہیں سکا، وہ ان کی بیٹی کی اجازت طلب نظریں سمجھا گئی تھیں۔ جب اپنے درست ہونے کا یقین ہو تو راہ میں بیٹھے کتے سے ڈر کر راستہ بدلنا یا لوگوں کی باتوں سے ڈر کر فیصلے کرنا بزدلی ہے۔ وہ بزدل ہرگز نہ تھے۔

☆☆☆

رئیسہ بیگم گھر آ گئی تھیں اور اب پورے جوش و خروش سے رخصتی کروانے کے لیے تیار تھیں۔ فوری رخصتی کا سن کر زمین کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ احتجاجاً ان کی خیریت دریافت کرنے بھی نہیں گئی مگر کسی نے اس کی غیر موجودگی کا نوٹس نہیں لیا۔ ان کا خیال یہی تھا کہ شاید وہ روایتی جھجک کا شکار ہے۔ جبکہ وہ مشرقی حسینہ غصے سے کھولتے ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

درمیان میں رک کر ثمرین پر برس پڑتی۔

"حد کر دی ابو نے بھی، مجھے تو گویا اپنی بہن پر وار دیا ہے۔ آناً فاناً نکاح اور اب یوں اچانک رخصتی۔"

"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ پیپرز کی تیاری کرتی خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ مجھے مزید نہیں پڑھنا۔" ثمرین تسلی سے اسے غصہ نکالنے کا موقع دیتے چند دن پہلے کی بات یاد کروا رہی تھی۔

"کیوں نہیں پڑھنا مجھے، وہ تو ایسے ہی ٹینشن میں کہہ دیا تھا۔ مجھے آگے ہر صورت ایڈمیشن لینا ہے۔" وہ تڑپ کر مڑی تھی اور عزم سے کہا تھا۔

"تو پڑھ لینا، منع کس نے کیا ہے۔ پھپھو کی طبیعت اتنی بھی خراب نہیں کہ تم پڑھ ہی نہ سکو۔ ابھی رخصتی نہیں ہو گی تو بھی سال بعد تو طے ہے، تب بھی شادی کے بعد ہی پڑھنا ہے۔ ابھی تو تمہارے ایڈمیشن میں ہی چھ ماہ لگ جائیں گے۔ رخصتی ہو جائے گی تو عمار کی بے وجہ ضد بھی ختم ہو جائے گی۔ ہر روز تمہیں پک اینڈ ڈراپ کرے گا تو نانی یاد آئے گی۔"

ثمرین حساب کتاب کرتے تصور میں ہی عمار کو مزا چکھا رہی تھی۔ زمین نے بغور اس کے تاثرات دیکھتے کھوجنے والے انداز میں پوچھا۔

"پھپھو کی طبیعت اتنی خراب نہیں تھی تو ایڈمٹ کیوں رکھا۔"

"تاکہ رخصتی فوراً ہو جائے۔ ڈاکٹر زیان کا دوست تھا۔" وہ کھلکھلائی، زمین کو لمحوں میں سب سمجھ میں آیا تھا مگر اچھا نہیں لگا۔

"ایسے زبردستی کا فائدہ۔ ان کی ضد اگر قائم ہوئی تو وہ اب بھی رخصتی سے پہلے ڈنر پر اصرار کریں گے ورنہ ساری زندگی کے طعنے تو اپنی جگہ ہیں۔"

زمین بالکل خوش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اب وہ تھک کر پژمردہ سی مسہری پر آ بیٹھی تھی۔ ثمرین نے اسے پیار سے ساتھ لگایا تھا۔

"عمار ایسا طعنے دینے والا ہرگز نہیں ہے۔ وہ

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

بظاہر جتنا جذباتی، غصے والا لگتا ہے، اندر سے اتنا ہی خیال رکھنے والا ہے۔ اب تو بس دو ہفتوں میں رخصتی ہے۔ تمہیں کچھ کہے گا تو ہم ہیں نا۔ تم ایسی سوچوں میں الجھنے کے بجائے اپنی زندگی کے سب سے اہم موقع کی تیاری کرو۔"

نرمین نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ کچھ تسلی ہوئی تھی۔ عمار کے مزاج کا اسے نکاح کے بعد کی ان چند ملاقاتوں میں اندازہ ہو گیا تھا۔ تصور میں اس کی جان دار مسکراہٹ تھی۔ وہ کیسے اس سے باتیں کرنے کا متمنی ہوتا مگر وہ کتابوں میں مگن رہتی۔ ثمرین اس کے چہرے پر اترتے سکون کو دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو تھی۔

☆☆☆

"آپا نے جہیز کے لیے سختی سے منع کر دیا ہے، برتن، بستر لینے کا تو ابھی ویسے وقت بھی نہیں، نرمین کپڑے، جوتے جو لینا چاہے اور پارلر وغیرہ وہ سب اس کی مرضی سے کر لینا۔ فرنیچر بھی آپا خود لینا چاہ رہی ہیں۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ عمار نرمین کو بھی فرنیچر پسند کروانے کے لیے ساتھ لے جائے۔"

وہ مہمانوں کی فہرست چیک کرتے بیگم سے مخاطب تھے۔ پوری طرح متوجہ شمسہ اور بے دھیانی میں سنتی ثمرین ایک دم چونکیں۔

"نرمین کو اکیلے ہی جانے دوں عمار کے ساتھ؟" امی نے بے یقینی سے استفسار کیا۔ ثمرین بھی حیرت بھرے انداز میں جواب کی منتظر تھی۔

"ہمم..... جیسا بھی پلان ہو۔" انہوں نے سرسری انداز اپنایا تھا۔ بیوی اور بیٹی کے متحیر انداز کا سبب جانتے تھے سو نظر انداز کرنا ہی بہتر جانا۔

"پہلے ایسے پابندی لگا دی اور اب جب رخصتی میں چند دن رہ گئے تو۔۔" امی جھلا کر بڑبڑائیں۔ ابو نے سر اٹھا کر تیز نگاہ ڈالی۔

"مرضی میری۔ منع کرنے کی وجہ بھی بتائی تھی پھر بھی سوال جواب ضرور کریں گی۔"

جواب نہ بن پانے پر ان کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اب کیا کہتے کہ کس بات سے سوچ بدلی۔ جب انسان خود پر پردے ڈالنا چاہتا ہے تو جارحیت کو بطور دفاع اپنا لیتا ہے۔ سوال کے جواب میں سوال یا بے وجہ غصہ اکثر اپنے آپ کو نہاں رکھنے کی کوشش ہی ہوتی ہے۔ ان کا مزاج بگڑتا دیکھ کر شمسہ نے موضوع بدلا۔

"ہال مل گیا۔"

"اتنی جلدی ہال ملنا ممکن نہیں۔ بس ضروری ضروری مہمان رکھو۔ گھر سے ہی رخصتی ہو گی۔ جو رہ جائیں گے، ویسے میں بلا لینا۔ وہ بڑا فنکشن ہو گا۔"

وہ تفصیل بتا رہے تھے۔ ثمرین پرجوش سی نرمین کو تفصیل بتانے بھاگی تھی۔ اس کے واہموں کا سدباب ہو گیا تھا۔ ابو کی پابندی ہٹ گئی تھی تو اب عمار کی ضد قائم رہنے کا بھی کوئی جواز نہ تھا۔ ان کا انتظار، انتظار ہی رہ گیا مگر عمار نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ثمرین پھپھو کی طرف جاتی رہی مگر خود سے کچھ کہنا یا پوچھنا مناسب نہیں لگا۔

عمار بظاہر پہلے جیسا ہی تھا مگر اس کے انداز میں نکاح کے وقت والی خوش گواری مفقود تھی۔ وہ بچہ نہیں تھا جو اس فوری رخصتی کا مطلب نہیں سمجھتا۔ اس کی ماں، بھائی اور بیٹے کی سرد جنگ سے پہلے ہی گھبرا گئی تھی۔ اسی لیے اب وہ خود سے کچھ بھی کہہ کر اپنی ماں کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ مگر خیالات کے گھوڑے اسے عجیب بیزاری کی وادی میں گھماتے رہتے۔ اگر ایسے حالات نہ ہوتے تو اس موقع پر وہ کتنا سرشار ہوتا۔

اسے نرمین سے زیادہ گلہ نہیں تھا۔ جانتا تھا، وہ ماموں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتی مگر ماموں نے جس طرح اس کی چھوٹی سی خواہش کو جرم بنا دیا تھا۔ اس کے دل پر لگا تھا۔ پھر جب امی نے بھائی کی محبت میں سرشار اسے یہ خبر سنائی تھی کہ وہ نرمین کو ساتھ لے جا کر شاپنگ کر سکتا ہے۔ ان کے ساتھ آنے جانے پر ماموں کو کوئی اعتراض نہیں تو وہ تپ گیا تھا۔ دل میں غصے کی لہر اٹھی تھی۔

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

"یہ کوئی مذاق ہے۔ جب ماموں کی مرضی ہو بلالیں اور جب چاہے منع۔۔۔ مجھے نہیں لے جانا اسے اب کہیں۔" وہ پھٹ پڑا۔

"ایک تو تمہاری اتری صورت دیکھ کر وہ راضی ہو گیا مگر تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے۔" امی مکمل طور پر بھائی کی طرف دار تھیں۔ عمار لب بھینچے انہیں دیکھتا رہا، وہ کچھ نہ بولا تو امی رسان سے مزید بولیں۔

"لوگوں کی باتوں سے ڈر گیا تھا۔ اس لیے ضد پر اڑ گیا۔ تم کون سے کم ہٹ دھرم ہو، بلاوجہ مسئلہ بنایا۔ اب جانا نہ جانا تمہاری مرضی، ہم نے تو بات ختم کر دی۔"

امی گیند اس کے کورٹ میں ڈال کر سب کو بری الذمہ کر گئی تھیں مگر اس کی اونچی ناک نے اس رعایت کا فائدہ اٹھانا گوارا نہیں کیا تھا۔

تمام گلے شکوے دل میں دبائے وہ کسی پر کھلے بنا وہ زمین کو رخصت کروا لایا تھا۔

نکاح پہلے سے ہو چکا تھا۔ غیر ضروری رسمیں وہ کرتے نہیں تھے۔ سب مہمانوں کو کھانا کھلا کر فوراً رخصتی کر دی گئی۔ سب کچھ سادگی سے ہوا تھا۔ رخصتی کے لیے ریان نے بھی یار دایتی ڈولی کے لیے بہت زور لگایا مگر زمین کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے ہر چیز سے صاف انکار کر دیا۔ عمار کی مستقل خاموشی بھی اسے پریشان کرتی تو کبھی وہ غصے میں آ جاتی۔

ثمرین نے اسے بے شمار تسلیاں دی تھیں کہ عمار ہمیشہ سے ایسا ہی ہے مگر وہ مطمئن نہ تھی۔ وہ گھر آئے تو بے شمار مہمان ان کے ساتھ ہی آئے تھے۔ ریان اور ثمرین اب پارٹی بدل کر دلہا والے بن گئے تھے۔ پھپھو نے نیل گرانے سے لے کر کھیر کھلانے تک بے شمار رسمیں کیں۔ ہنستا مسکراتا عمار اس کے بے شمار خدشات کو رفع کر رہا تھا۔ پھولوں سے سجے کمرے میں بیٹھی وہ موتیا کی سحر انگیز خوشبو محسوس کر رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ نظریں جھکا کر تیزی سے دھڑکتے دل کی آواز سن رہی تھی۔ ہاتھوں کی لرزش چھپانے کے لیے انگلیوں کو آپس میں پیوست کر لیا تھا۔ عمار سامنے آ کر بیٹھا اور قلبی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ لرزتی پلکیں اس کے دل کی حالت بیان کر رہی تھیں۔ عمار چند لمحوں کو سب بھول گیا۔ جانے وہ واقعی اتنی خوب صورت تھی یا اسے لگتی تھی۔ نظریں جمائے اس نے سوچا پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"لانگ ڈرائیو پر چلیں۔"

"جی۔" زمین نے بھونچکا ہو کر سر اٹھایا تھا۔ اس قدر غیر متوقع بات پر اسے ساری شرم و حیا بھول گئی تھی۔ وہ آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پہلے تو تمہیں ماموں نے منع کیا تھا نا، اب تو میرے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ اس کا لہجہ چاہ کر بھی تلخ نہیں ہو پایا تھا۔ کمرے کا فسوں خیز ماحول، سامنے بیٹھی نئی نویلی دلہن اس کے دل سے سارے شکوے دھو رہے تھے۔ جبکہ نئی نویلی دلہن ماحول اور لہجے سے بے نیاز اس کے الفاظ میں الجھی تھی۔

"آپ ابو کو نیچا دکھانے کے لیے مجھے یوں باہر لے کر جائیں گے۔" اس کا انداز سوالیہ تھا۔ نگاہوں میں دنیا جہاں کا شکوہ سمایا ہوا تھا۔

"اس میں نیچا دکھانے کی کیا بات ہے۔ تم کیا کبھی گھر سے باہر نہیں نکلیں۔ ہمارا تو اب ہمیشہ کا ساتھ ہے، تم نہ جانا چاہو تو تمہاری مرضی۔" عمار ایک دم سنبھلا تھا۔ اپنی معصوم بیوی سے ایسے کڑے سوال کی امید نہیں تھی۔

"میں یوں شوپیس بن کر کبھی باہر نہیں نکلتی لیکن چلیں جہاں جانا ہے، میں چادر لے لوں گی۔" اس نے اپنے حلیے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ عمار نے بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت سادہ حلیے میں بڑے دوپٹے یا چادر اوڑھ کر باہر جاتی تھی۔ اس وقت وہ اس کے لیے سر سے پاؤں تک تیار ہوئی تھی۔ سیٹ کر کے پھیلایا دوپٹا بھی اس کے وجود کی تابانیوں کو چھپانے میں ناکام تھا۔ وہ یوں باہر جاتی تو یقیناً سب کی نظروں کا مرکز بنتی۔ عمار کو ایک دم احساس ہوا تھا کہ

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.

بوقت باہر جانے کے لیے موزوں نہیں۔ اب تو زندگی بھر ساتھ ہی گزرنا تھا۔ یہ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے اپنے رشتے کی بنیاد مضبوط کرنے کے لیے بہت اہم تھے۔ اس کی خاموشی سے زمین ہلنے لگی تھی۔ اندر ہی اندر دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اس کے یوں تلخ الفاظ اسے فیصلہ دلا گئے تو۔۔۔ مگر وہ اتنے دن سے ان دیکھے خوف برداشت کرتے تھک چکی تھی۔ چند لمحوں بعد گہرا سانس لے کر عمار بولا بھی تو کیا۔

"مجھے بہت برا لگا تھا، جب تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ ماموں نے مجھ پر بے اعتباری دکھائی اور تم ان کے ساتھ تھیں۔"

"میں نے جھوٹ اسی لیے بولا تھا تاکہ بات نہ بڑھے۔ میں کسی کے ساتھ نہیں تھی۔ مجھ سے کسی نے پوچھا ہی کب تھا۔ آپ دونوں نے اپنی ضد میں میرا نہیں سوچا۔ میں کیا سوچتی ہوں، کیا چاہتی ہوں۔"

اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں اور لہجہ بھیگا تھا۔ اعصاب اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ سہہ چکے تھے۔ عمار کے دل کو کچھ ہوا۔ جسے ساری زندگی خوش رکھنے کا عہد کیا تھا، وہ اس کی وجہ سے رو رہی تھی مگر دل میں گڑی پھانس نکالنی ہی تھی تاکہ آئندہ زندگی میں کوئی خار نہ رہے۔

"تم ماموں کے ہی ساتھ تھیں۔ تم نے کبھی انہیں کچھ نہیں کہا۔" عمار نے اس کا ہاتھ تھپکتے اپنی بات دہرائی تھی۔ وہ بھی تو اتنا عرصہ بلاوجہ کے ذہنی تناؤ کا شکار رہا تھا۔

"میں انہیں کیا کہتی؟ مجھے ابو کی بات ہی ماننا تھی۔ آپ کو اچھا لگے گا اگر کل کو آپ کی بیٹی چھوٹی سی بات پر یوں آپ کے سامنے آ کھڑی ہو۔" اس کی مثال پر عمار کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی مگر وہ اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھی۔

"سچ تو یہ ہے کہ ضد آپ نے بنائی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ابو نے منع کر بھی دیا تو کیا ہوا۔ وہ منع کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کے فیصلے کا احترام نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ یہی تو ان کی بردباری کا امتحان ہوتا ہے۔ میرے ابو آپ کے ماموں بھی ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی میرے ابو کی بیٹی سمجھا۔" وہ صدمے سے دل کی بھڑاس نکال کر خاموش ہوئی تھی۔ عمار قدرے شرمندہ ہوا۔ یہی امتحان تھا تو وہ اس میں فیل ہو گیا۔ وجہ جو بھی تھی مگر آخر میں ماموں نے اسے اجازت دے کر قضیہ ختم کیا تھا۔ اس نے ان کا فیصلہ خود پر جبر کر کے مانا ضرور تھا مگر اس کا احترام نہیں کیا تھا۔ وہ باپ کی طرح خیال رکھنے والے ماموں سے مقابلہ کرتا رہا تھا۔ محبت ہو یا اطاعت، امتحان ناموافق حالات میں ہی ہوتا ہے۔ اچھے وقتوں میں تو سب ہی ساتھی ہوتے ہیں۔

"میں تو تمہیں بہت سادہ سی سمجھتا تھا، تم تو بہت تیز نکلیں یار۔ ہماری بیٹی کا ذکر کر کے مجھے بلیک میل مت کرو۔ میں اسے ایسی مشکل میں ہی نہیں ڈالوں گا۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔

چھوٹے چھوٹے شکوے وقت پر نہیں کیے جائیں تو ایک دن شکایات کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ انہوں نے وقت پر کہہ سن کر دل صاف کر لیا تھا۔ تب ہی غلط فہمیاں بھاپ بن کر اڑی تھیں۔

"اپنی بیٹی اتنی عزیز ہوگی، سب سہنے کے لیے ماموں کی بیٹی جو ہے۔" اس کا خوش گوار انداز دیکھ کر سکون زمین کے اندر اترا تھا۔ بہت مطمئن انداز میں اس نے چوٹ کی تھی۔

"نہیں بھئی، ماموں کی بیٹی کو تو دل سے لگا کر رکھوں گا۔ میرے بچوں کی اماں ہوں وہ۔"

عمار نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے گال کو چھوتی لٹ پیچھے کی۔ اس نے پزل ہو کر نظریں جھکا لی تھیں۔ غصہ ختم ہوا تو دھیان اس کی چمکتی آنکھوں سے جھلکتی محبت اور کمرے کے مہکتے ماحول پر گیا تھا۔ پٹر پٹر چلتی زبان ایک دم رکی تھی۔ اب پر حیا کے تالے پڑے تھے۔ بہت سے گلے شکووں کے بعد ایک نئی خوشیوں بھری زندگی کی شروعات ہوگئی تھی کہ یہی اونچ نیچ زندگی کا حسن ہے۔

☆☆

Protected with trial version of Visual Watermark. Full version doesn't put this mark.